حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی کا عربی کلام ؟

از ابو صہیب رومی مچھلی شہری۔

عنوان مذکور الصدور کے تحت جناب ڈاکٹر سید لطیف حسین[1] ادیب بریلوی کے ایک تحقیقی مقالے کی دو قسطیں ماہنامہ معارف اعظم گڈھ کے دو شماروں (بابت مئی و جون ۱۹۹۵ء) میں نظر سے گذریں، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی کی عربی شاعری پردۂ خفا میں تھی، عام طور پر لوگ اس سے بے خبر ہی ہیں، خود راقم السطور بھی ان کی شاعری کو اردو فارسی ہی تک محدود سمجھتا تھا، ان کی اردو شاعری کے نمونہ کا ایک مصرع تو بچپن ہی سے اپنے کانوں میں پڑ گیا تھا جو دل و دماغ میں محفوظ ہے۔

ع جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

ڈاکٹر ادیب بریلوی نے حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی کے عربی کلام کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ مزید کچھ تفصیلات اور حضرت شاہ صاحب کا کچھ عربی کلام کسی مخطوطے کا فوٹو حاصل کر کے شایع کیا ہے۔

شاہ صاحب کا یہ عربی کلام "نادعلی" (ناد علیاً) کے ایک شعر کی بطرز مخمس (۳۰) تضمینات پر اور "مدح پنجتن" میں (۲۱) خمسہ جات پر، نمبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[1] معارف: ڈاکٹر صاحب ایک بہت مشاق اہل قلم اور صاحب تصنیفات ہی نہیں دار المصنفین کے دیرینہ قدردان بھی ہیں۔ عرصہ سے معارف انکی نگارشات سے متمتع ہو رہا ہے۔

کی طرف منسوب ایک عربی مناجات کی تضمین پر مشتمل ہے۔

فاضل مضمون نگار نے اپنے تمہیدی مضمون میں "ملت نیازیہ" (سلسلہ نیازیہ) کے افراد میں ترغیب کی تحریک کیلئے تحریر فرمایا ہے کہ:

"حضرت شاہ نیاز احمد کے عربی کلام کو عام کرنے کے لیے ان کے تمام عربی کلام کی اشاعت ضروری معلوم ہوتی ہے، اس سلسلہ میں ان کے عربی زبان کے "خمسیات" (یہ لفظ یونہی لکھا گیا ہے، خمسہ جات لکھنا چاہیے تھا) کے ۶۴ بندوں کی نقل محولہ بالا مخطوطے سے حاصل کرکے پیش کی جاتی ہے، کیا عجب کہ اس کلام کی اشاعت کے بعد "ملت نیازیہ" کے افراد میں ترغیب پیدا ہو اور وہ حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی کا وہ عربی کلام شایع کرادیں جو مندرجہ ذیل ۶۴ بندوں کے علاوہ ہے" (اس تمہید کے بعد وہ بند شایع کیے گئے ہیں)

جناب ادیب اگر "سلسلۂ نیازیہ" کی بجائے" ملت نیازیہ" لکھنا ہی تقاضائے ادب و عقیدت سمجھتے ہیں تو اسے وہی زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں ورنہ اب تک تو "ملت" کا لفظ "ملت ابراہیمی" اور "ملت مسلمہ" ہی کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔

مضمون میں ادارۂ معارف کی طرف سے حاشیہ پر مندرجہ ذیل دو نوٹ بھی دیے گئے ہیں:۔

"[۱] اس وقت یہ بات بھی ذہن میں آئی کہ حضرت شاہ نیاز احمد نیاؔز بریلوی کا دیوان انکا عربی کلام شامل کرنے کے بعد ہی شایع کرانا چاہیے امید ہے اس سلسلہ میں کوئی مثبت پیش رفت ضرور ہوگی"۔

"[۲] معارف: اشعار شاعر کی عربی شاعری پر قدرت کا ثبوت ہیں، خیالات سے بحث نہیں"۔

معارف کا پہلا نوٹ تو حضرت شاہ نیاز بریلوی کے اہل سلسلہ کے لیے لکھا گیا ہے اور یقیناً قابل توجہ ہے، امید ہے کہ دابستگان سلسلہ نیازیہ اس کی طرف پوری توجہ فرمائیں گے۔ اردو شاعری کے ریسرچ اسکالرس میں سے کوئی باہمت وحوصلہ اس موضوع کو اپنا موضوع تحقیق بنالے تو حضرت شاہ صاحب کے عربی کلام پر تحقیقی مقالہ تیار ہو سکتا ہے۔

معارف کے دوسرے نوٹ کا روئے سخن شاید ناظرین معارف کی طرف ہے کہ کہیں کوئی حضرت شاہ صاحب کے اس کلام عربی میں آئے ہوئے بعض معتقدات وخیالات کو موضوع بحث وگفتگو نہ بنالیں۔

راقم السطور اس موقع پر معارف کے ہر دو نوٹ کے ساتھ ساتھ اتنی بات کا اضافہ اور کرنا چاہتا ہے کہ ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی کے عربی کلام کی اشاعت اور اسے شامل دیوان کرنے سے پہلے ان کے اس دریافت شدہ عربی کلام کی پوری طرح تصحیح وتحقیق بھی کر لی جائے۔

حضرت شاہ صاحب کے عربی کلام کی جو نقل مخطوطے سے حاصل کرکے معارف میں شایع کی گئی ہے، اس میں کہیں کہیں اعراب کی غلطیاں نظر آئیں جن کی اصلاح اولاً تو فاضل مضمون نگار کو کر دینی چاہیے تھی (یہ اصلاح اگر متن میں نامناسب تھی تو اس سے متعلق اپنی تمہید میں یا حاشیہ پر نوٹ میں تنبیہ ہونی چاہیے تھی) اور دوسرے نمبر پر کسی درجہ میں اس کی ذمہ داری ادارۂ معارف کی تھی کہ اگر انہیں ان فروگذاشتوں کا علم ہو گیا تھا تو اس پر تنبیہ فرمادی جاتی۔

شایع شدہ عربی کلام کا وہ حصہ جو "نادعلی" کے ایک شعر پر کہے ہوئے ۳۲ خمسہ جات پر مشتمل ہے اور وہ حصہ جو پنجتن کے مدحیہ "خمسوں" پر مشتمل ہے اس میں بین السطور اردو ترجمہ

بھی ہے جس کا خط بہت باریک اور عکس غیر واضح ہے، اس عربی کلام میں تیسری چیز اس عربی مناجات کی تضمین و تخمیس ہے جو سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف خدا جانے کس طرح اور کب سے منسوب ہو گئی ہے، اس مناجات کے گیارہ اشعار پہ تضمین کی گئی ہے اس طرح گیارہ بند اس مناجات سے متعلق ہوئے، پنجتن سے متعلق خمسہ جات ۱۲ ہیں اور اس طرح کل ۴۶ بند ہو جاتے ہیں۔

حضرت شاہ نیاز بریلوی علیہ الرحمہ کے عربی کلام پہ کام کرنے والوں کی سہولت کیلئے شایع شدہ عربی کلام کے اعراب کی غلطیوں کی نشاندہی کی جا رہی ہے، یہ زیادہ تر معمولی ہیں جو کاتب کی غفلت کا نتیجہ سمجھی جا سکتی ہیں، تاکہ آیندہ عربی کلام کی اشاعت کے وقت ان کی اصلاح کر لی جائے۔

(۱) "نادِ علیؓ" کے خمسہ جات کے تیسرے بند میں تضمین کے مصرعوں میں غریب، الطبیب، حبیب کے قافیے آئے ہیں اور یہ تینوں ہی لفظ حالت رفع میں ہونے کیوجہ سے مرفوع ہیں جنھیں شاہ صاحب نے غالباً ساکن (غَرِیْبْ، طبیب اور حبیب) نظم فرمایا ہوگا، لیکن مخطوطہ کے عکس میں تینوں ہی الفاظ مکسور (زیر کے ساتھ) لکھے ہوئے ہیں۔

(۲) خمسہ ۲ میں تضمین کے تینوں مصرعوں میں قافیہ الصفات، اللغات اور النجات (النجاۃ) ہے ان میں سے پہلے دو لفظ حالت جر میں ہیں اس لیے انہیں مکسور لکھنا تو صحیح ہے لیکن تیسرا قافیہ النجاۃ مفعول ہونے کی بنا پر حالت نصب میں ہے اسے مفتوح (زبر کے ساتھ لکھنا چاہیے لیکن یہاں بھی گمان یہی ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے قافیہ کے آخری حروف ساکن رکھے ہیں اور ضرورت شعری کی وجہ سے نجاۃ کی تائے مدورہ کو تائے مستطیلہ کی شکل میں لکھ دیا ہے ورنہ تائے مدورہ ساکن ہونے کی صورت میں ہائے بدل جاتی

اور قافیہ خلل پذیر ہو جاتا اسی لیے ان کلمات کو ساکن رکھا گیا ہے کہ اعراب کے اختلاف کی وجہ سے قافیہ کا نظم متاثر نہ ہونے پائے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ النجات کی تائے کو مستطیلہ دیکھ کر اس کو جمع مونث سالم کا اعراب دے دیا گیا ہو کہ جمع مونث سالم کی تاء کو حالت نصب میں کسرہ ہی دیا جاتا ہے مگر ظاہر ہے کہ النجاۃ جمع مونث سالم ہے ہی نہیں۔

(۳) پانچویں بند کے تضمینی مصرعوں میں مُغیثٍ، استغیثٍ، یغیثٍ قافیے ہیں جو غالباً ساکن ہی نظم کیے گئے ہیں لیکن کاتب نے تینوں کلموں کو کسرہ (زیر کے ساتھ لکھ دیا ہے، حالانکہ تینوں جگہ آخری حرف "ثا" کا اعراب رفع (پیش) ہونا چاہیے ان کلمات کا پہلا کلمہ "مغیثٌ" منادیٰ مفرد ہے جو حسب قاعدہ مرفوع ہوا کرتا ہے اور دوسرے تیسرے مصرعوں میں "استغیثُ" اور "یغیثُ" مضارع کے صیغے ہیں اور مضارع کا اعراب عام حالات میں رفع (پیش) ہی ہوتا ہے لیکن مخطوطے کے شایع شدہ عکس میں یا مغیثٍ، استغیثٍ اور "یغیثٍ" ثا کے کسرہ (زیر) کے ساتھ شایع ہوا ہے جو بہر حال غلط اور قابل اصلاح ہے۔

گمان غالب یہی ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے خود نوشت کلام میں یہ قافیے ساکن ہی رکھے گئے ہوں گے مگر کاتب نے بلا ضرورت ان پر اعراب لگا دیے، آئندہ اعراب کی اس قسم کی غلطیوں کی اصلاح ضرور ملحوظ رکھی جائے۔

(۴) "خمسہ جات" کے پانچویں[1] بند میں تضمین کے تین مصرعوں میں ناسخ، راسخ کے ساتھ ساتھ تیسرا قافیہ "انت الاخ" کی شکل میں استعمال ہوا ہے جو قابل غور اور محل تامل ہے، راقم السطور کو فن عروض و قوافی سے کما حقہ واقفیت نہیں ہے اور بقول مولانا روم

---

[1] معارف: آٹھویں۔

ع من نہ دانم فاعلات، فاعلات لیکن طبعی موزونیت کی بنا پر کبھی کبھی تک بندی کر لیتا ہوں۔ اس لیے فنی تبصرہ و تنقید نہ سہی، لیکن یہ بات تو عرض کی ہی جاسکتی ہے کہ "ناسخ" و "راسخ" کے ساتھ "الاخ" کا قافیہ ذوقی طور پر قابل قبول نہیں لگتا۔ یہ بات بھی نہیں ہے کہ عربی زبان میں "ناسخ و راسخ" کے علاوہ مناسب ہم قافیہ الفاظ دستیاب نہ ہو سکتے ہوں؟

(۵) چودھویں بند کے تضمینی مصرعوں میں پہلے مصرع میں قافیہ معاش، دوسرے میں "تلاش" اور تیسرے مصرع میں "عاش" استعمال کیا گیا ہے ان میں سے "معاش" اور "عاش" تو ضرور عربی الفاظ ہیں لیکن "تلاش" عربی زبان و لغت کا لفظ نہیں ہے بلکہ ترکی زبان کا لفظ ہے جو سعی و جستجو کے معنی میں آتا ہے اور زبان ترکی کے مطابق تا کے بعد لکھنے میں "الف" کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں "تالاش" لکھتے ہیں لیکن پڑھنے میں اس الف کا تلفظ نہیں کرتے، "تلاش" بولتے ہیں، غیاث اللغات میں "تلاش" کی تحقیق یوں کی گئی ہے:

"تلاش بر وزن "خراش" بمعنی سعی و جستجو از لغات ترکی و تالاش بر وزن "شاباش" خواندن غلط مگر نوشتن درست بعضے گمان برند کہ لفظ "تلاش" عربی است و برائے معنی تلاش کنندہ لفظ متلاشی از تلاش ماخوذ کنند ایں ہم محض غلط و صحیح بجائے متلاشی لفظ تلاشی است چراکہ لفظ تلاش ترکی است از بہار عجم و سراج"۔

(۶) سولھویں بند کے تضمینی مصرعوں کے قافیے یخفض، ینقض اور یمرض آئے ہیں تیسرے قافیے میں کاتب نے را کو کسرہ (زیر) دے دیا ہے جبکہ راء کو فتحہ (زبر) ہونا چاہیے یہ فعل باب سمع یسمع سے آتا ہے۔

اسی طرح ۲۵ ویں بند کے دوسرے مصرع میں "مُتُّ" متکلم کے صیغہ کی جگہ "مُتَّ" مخاطب کا صیغہ لکھ دیا ہے جس کی وجہ سے معنی ہی پلٹ گئے ہیں۔

معارف میں شاہ صاحب کے شایع شدہ عربی کلام میں اعراب کے علاوہ "عربیت" (عربی زبان و لغت) کی بھی بعض چھوٹی موٹی فروگذاشتیں رہ گئی ہیں جو اہل عجم کے کلام میں عام طور پر ہو جایا کرتی ہیں، چونکہ ان کا تعلق تمام تر خود حضرت شاہ صاحب کی ذات والا صفات سے ہے اس لیے ان کی نشاندہی ایک طرح کی بے ادبی ہو گی اور اب ان کی اصلاح کا کوئی محل بھی نہیں ہے اس لیے انہیں نظر انداز کرنا ہی اسلم ہے۔

"معارف" کا موضوع عام طور پر علمی و ادبی اور تاریخی مضامین ہوتے ہیں اسی بنا پر وہ مضمون بحث و تبصرہ کے بغیر شایع کر دیا گیا اور صرف اجمالی نوٹ پر اکتفا کیا گیا، لیکن تحقیق حق اور اظہار حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ عربی کلام میں ظاہر کیے گئے خیالات پر یہاں کچھ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

"مجموعۂ" قصائد" کے زیر عنوان فرقۂ روافض میں مروج و مشہور" ناد علی" کے مضمون سے ماخوذ و مقتبس مضمون کے ایک شعر پر بتیس خمسے نظم کیے گئے ہیں۔

" ناد علی" کے مضمون پر مشتمل مندرجہ ذیل شعر تضمین کے لیے تجویز فرمایا گیا ہے۔

یا علی للہ عوناً یا علی   بالتفات منک ھمی ینجلی

ان خمسہ جات کے اشعار ان کے مضامین و خیالات کو دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ یہ تضمینات و خمسہ جات یا تو الحاقی ہیں، حضرت شاہ صاحب کی شخصیت و شہرت کی آڑ میں کسی دوسرے شخص نے " ناد علی" کے مضمون پر مشتمل عربی کا ایک شعر کہہ کر اس کی تضمینات بھی کہہ ڈالی ہیں اس لیے آیندہ تحقیق کرنے والوں کے لیے تحقیق کا ایک مرحلہ یہ بھی ہو گا کہ وہ حضرت شاہ صاحب کی جانب منسوب عربی کلام کو حضرت شاہ صاحب کی تحریر خاص میں تلاش کرنے کی بھی کوشش کریں۔

اور اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ کر محقق ہو جاتی ہے کہ یہ کلام حضرت شاہ صاحب ہی کا ہے تو پھر یہ سمجھنا پڑتا ہے کہ شاید حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس "ناد علی" کی زبان زد شہرت و رواج عام سے متاثر ہو کر اسے اپنی تضمین و مشق شاعری کے لیے منتخب فرمایا ہوگا۔ اس کی اصل روایت و حقیقت پر وہ مطلع نہ ہو سکے ہوں گے ورنہ ان جیسا خدارسیدہ عارف باللہ بزرگ جو توحید حقیقی پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسے شعر کو اپنی طبع آزمائی کے لیے ہرگز پسند نہ کرتا۔

"ناد علی" کی اصل حقیقت: اس کی اصل حقیقت سمجھنے کے لیے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی علیہ الرحمہ کے مشہور خلیفہ حضرت سید محمد گیسو دراز علیہ الرحمہ کے مجموعۂ ملفوظات 'جوامع الکلم' کی روایت سامنے رہنی چاہیے۔

روایت کا خلاصہ و مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک موقع پر ایک مشکل درپیش تھی اسے حل کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبریل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور "ناد علی" والا مشہور قطعہ آپ کو تلقین فرمایا، ملاحظہ ہو پورا قطعہ یہ ہے:

نادعلیا مظہر العجائب تجدہ عونا لک فی النوائب
کل ھم و غم سینجلی بنبوتک یا محمد و بولایتک یا علی

اس روایت کے پس منظر میں قطعہ کا ترجمہ یہ ہوگا۔

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ علی مظہر العجائب کو (اپنی مدد کے لیے) ندا دیں اور پکاریں، آپ مصیبتوں میں انہیں اپنا مددگار پائیں گے، ہر قسم کا غم اور ہر طرح کی فکر اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی نبوت کے وسیلہ سے اور اے علی تمہاری ولایت کے وسیلہ

سے دور ہو جائے گی"۔

"ناد علی" کے قطعہ بالا کو مشہور محدث ملا علی قاری نے نقل فرما کر اسے موضوع جعل اور "مفتریات شیعہ" سے بتایا ہے (ملاحظہ ہو موضوعات ملا علی قاری ص۹۶)

روایت کا درایتی پہلو بھی مضحکہ خیز ہے کہ موقع تو یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشکل درپیش تھی ان کی تعلیم و تلقین کے لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام "ناد علی" کا ورد و وظیفہ بتلانے آئے تھے کہ آپ ایسے آڑے وقت میں مدد کے لیے "علی" کو پکاریں لیکن اس وظیفہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ خود حضرت علی کو بھی مخاطب بنا لیا گیا اور الگ الگ دونوں کو دو وسیلے بتا دیے گیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا وسیلہ بھی ہم و غم دور کر دیتا ہے اور حضرت علیؓ کی ولایت کا وسیلہ بھی ہم و غم دور کر دیتا ہے۔

یہاں یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ یہ مشکل ایسی سخت آپڑی تھی جس کے لیے نبوت و رسالت کا وسیلہ کافی نہ ہو رہا ہوگا اور ضرورت پڑی ہوگی کہ اس موقع پر حضرت علی کی ولایت کا وسیلہ بھی حاصل کیا جائے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰه

ع چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کیسی زیادتی ہے کہ ظالم راوی نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبتلائے شرک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے "ناد علی" کی تعلیم و تلقین کی روایت گڑھ ڈالی۔

"ناد علی" کی روایت پر ملا قاری کے اس تبصرہ کے بعد کہ یہ روایت مفتریات شیعہ سے ہے اور موضوع ہے حضرت شاہ نیاز احمد نیاز علیہ الرحمہ کے عربی کلام سے متعلق تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے یہ تحقیق بھی دلچسپ ہوگی کہ اگر آسانی سے "ناد علی" کی اسنادی حیثیت سے بھی تحقیق کر سکتے ہوں تو ضرور کر لیں۔

ماضی قریب میں مولانا سراج الحق صاحب سراج مچھلی شہری عربی و فارسی اور اردو کے اچھے قادر الکلام شاعر تھے انہوں نے اس ناد علیؓ کی اصلاح میں مندرجہ ذیل عربی قطعہ نظم فرمایا تھا، اہل ایمان و اہل ادب عربی کے لیے قابل ملاحظہ ہے:

نادوا العلی الکبیر الرب خالقکم	اس بلند و برتر رب کو پکارو جو تمہارا
ولا تنادوا علیا انہ بشر	خالق ہے۔ (حضرت) علی کو نہ پکارو! وہ تو ایک انسان ہیں۔
سواہ لن تجدوا عونا بنائبۃ	اللہ کے سوا کسی مصیبت میں بھی کسی کو
نغیرہ عاجز تلھیکم الغرر	مددگار نہیں پاؤگے۔ دوسرے لوگ عاجز و درماندہ ہیں، تم غفلت اور دھوکے میں نہ پڑو۔
توسلوا برسول اللہ والعمل	اللہ کے رسول کی اطاعت اور اعمال صالح کا
فینجلی کل ھم ساقہ القدر	توسل اختیار کرو تو ہر غم والم اور قضا و قدر کی لائی ہوئی پریشانی دور ہو جائے گی۔
لا تشرکوا ابداً من قول کل غو	کسی گمراہ کے بہکانے سے کبھی شرک میں نہ پڑو
واخلصوا دینکم للہ واتمروا	اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مخلص ہو جاؤ اسی (اللہ تعالیٰ)
فادعوا وناد وا واعبد وا وسلوا	کو پکارو، اسی سے دعا کرو، اسی کی عبادت کرو، ہر طرف
بہ استعینوا حنیفا ما سواہ ذروا	سے کٹ کر اور سب کو چھوڑ کر اسی سے فریاد کرو اور مدد چاہو!

حضرت شاہ نیاز احمد نیاز کے عربی کلام کے جو نمونے معارف میں شایع ہوئے ہیں انکے صرف پہلے حصہ پر مختصر بحث کی گئی ہے آیندہ انشاء اللہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیطرف منسوب اس مناجات سے متعلق بھی اپنی معروضات اختصاراً پیش کرونگا جسے معارف میں شایع شدہ عکس مخطوطہ کے مطابق انکی غزل قرار دیا گیا ہے۔

حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی کا عربی کلام؟

از

ابو صہیب رومی مچھلی شہری

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو معارف مارچ ۹۶ء)

مئی و جون ۱۹۹۵ء کے معارف میں ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب کا جو تحقیقی مقالہ "حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی کا عربی کلام" شایع ہوا تھا، اس کے متعلق راقم کی معروضات مارچ ۹۶ء میں چھپی تھیں انہیں ص ۲۱۷ پر ایک ذیلی سرخی "ناد علی کی اصل حقیقت" کے تحت لکھا گیا تھا کہ "اس کی اصل حقیقت سمجھنے کے لیے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی علیہ الرحمہ کے مشہور خلیفہ حضرت سید محمد گیسو دراز علیہ الرحمہ کے مجموعہ ملفوظات "جوامع الکلم" کی یہ روایت سامنے رہنی چاہیے۔

اس کے بعد مختصر طور پر اس روایت کا مفہوم و خلاصہ صرف حافظ کی مدد سے لکھ دیا گیا تھا، وہ رسالہ "جوامع الکلم" تلاش بسیار کے باوجود اس وقت ہاتھ نہ آسکا تھا، مگر مضمون کی اشاعت کے بعد اچانک ایک روز کتابوں کے درمیان وہ رسالہ مل گیا، رسالہ دیکھنے پر بات یوں صاف ہوئی کہ:

"ناد علی" سے متعلق وہ روایت اصل رسالہ جوامع الکلم کے متن میں مذکور نہیں ہے بلکہ مرتب رسالہ نے اپنے شایع کردہ رسالہ کے حاشیہ پر درج کی ہے، اس

حاشیہ کی نقل ملاحظہ ہو۔

"یہ رباعی (نادعلی والی رباعی) حضرت سید محمد گیسو دراز کے مزار کے اطراف شش پہلو مناروں پر کندہ ہے، اس وظیفے کا پس منظر اور شانِ نزول بھی سُن لیجئے۔

"کہا جاتا ہے کہ خیبر کی جنگ میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک نہیں تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بال بچوں کی نگرانی کے لیے چھوڑ دیا تھا، جس طرح غزوۂ بدر کے موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدہ رقیہ کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ دیا تھا، ۷ھ کا واقعہ ہے، خیبر میں سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ سے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے، ان کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس ساتھ تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس دیومالائی طریقہ سے خیبر پہنچایا گیا ہے وہ سُننے کے قابل ہے۔

"شیعی حضرات راوی ہیں کہ خیبر میں صحابہ کو سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی لاحق ہوئی اس وقت حضرت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور دعائے "نادعلی" کی تعلیم دی۔

پھر کیا تھا ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو مدد کے لیے پکارا اور ادھر حضرت علی کو مدینہ میں کشف سے معلوم ہوگیا اور آپ دلدل پر سوار ہوگئے، دلدل آگے بڑھنے پر آمادہ نہ تھا تو آپ نے اس سے کہا تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ مدد کے لیے پکار رہے ہیں اور تو اپنی جگہ سے کھسکتا بھی نہیں ہے،

یہ سننا تھا کہ دلدل چند سیکنڈ میں خیبر پہنچ گیا اور آن کی آن میں خیبر فتح ہو گیا۔"
(حاشیہ رسالہ جوامع الکلم ص۲۳ شایع کردہ انجمن تحفظ ناموس صحابہ
مومن پورہ گلبرگہ)

روایت کی اس تفصیل سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ صرف پروپیگنڈہ ہی کو مذہب جیسی اہمیت دینے والوں نے "نادعلی" کے توحید شکن قطعہ کو حضرت خواجہ محمد گیسو دراز کے مزار کے گرد بنے ہوئے مناروں پر کندہ کرا کے کس طرح اسے "امٹ" بنا دیا ہے۔ یہ قطعہ اگر کتب ملفوظات میں چھپنے ہی تک محدود رہتا تو ممکن تھا کہ کچھ دنوں بعد چُھپ بھی جاتا لیکن اس صورت میں کہ اسے "مناروں" پر منقوش کرا کے "نقش کالحجر" کا مصداق بنا دیا گیا ہے، اب بھلا اس کے چھپنے اور مٹنے کا امکان ہی کہاں باقی رکھا گیا ہے، اب تو جب تک مزار اور اس پر حاضری دینے والے باقی ہیں، یہی نقش کام دیتا رہے گا، یہی وجہ ہے کہ "نادعلی" مزار کے مناروں کی طرح معتقدین کے دلوں پر بھی نقش ہے۔

اب ہم حسب وعدہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی طرف منسوب غزل یا مناجات کے بارے میں اپنی گزارشات پیش کرتے ہیں۔

معارف بابت جون ۱۹۹۵ء (ص۴۶۰) میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مناجات (یا غزل؟) سے متعلق مخطوطہ کا عنوان یوں دیا گیا ہے:

"خمسہ"

تضمین جناب نیاز بے نیاز علیہ الرحمہ بر غزل امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

عنوان بالا میں زیر بحث "مناجات" کے لیے لفظ "غزل" کا استعمال خاص طور پر غور و توجہ چاہتا ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب یہ اشعار "مناجات" کے اشعار کہے اور سمجھے جاتے ہیں، خود جناب محترم ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب صاحب نے بھی اپنے فاضلانہ علمی و تحقیقی مقالہ کی پہلی قسط میں جہاں حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی علیہ الرحمہ کے "مجموعۂ قصائد" کے مشمولات کی تفصیل بتائی ہے وہاں خمسۂ سوم کے متعلق تحریر فرمایا ہے " خمسۂ سوم: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مناجات کی تخمیس"

مدعائے عرض یہی ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب یہ "اشعار" مناجات ہی کے اور لکھے جاتے رہے ہیں، ان اشعار کے لیے لفظ "غزل" کا استعمال زیر بحث مخطوطہ میں پہلی بار دیکھنے کو ملا ہے۔

اول تو اس مخطوطہ کا یہ انکشاف (کہ یہ اشعار غزل ہیں) بجائے خود موجب تعجب ہے اور مزید تعجب اس وجہ سے بھی ہے کہ فارسی و اردو شاعری میں تو غزل کا لفظ (سخن باز ناں گفتن) کے مفہوم کے لیے بولا جاتا ہے، لیکن عربی ادب و شاعری میں اس صنف سے تعلق رکھنے والی صنف سخن کو غزل کے بجائے "نسیب" کہتے ہیں:

عربی شاعری کا مشہور و معروف انتخابی مجموعہ دیوان حماسہ کے نام سے متعارف و متداول ہے، اس میں بھی "باب النسیب" ہی کے تحت ایسے اشعار ذکر کیے گئے ہیں جنھیں اردو و فارسی کی مروج اصطلاح میں غزل ہی کہا جائے گا۔ لیکن عربی کی قدیم شاعری میں اس مفہوم کے لیے "غزل" نہیں بلکہ "نسیب" کی

اصطلاح شایع و ذایع تھی۔

اس بات کا یقین کیسے کیا جائے کہ حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی علیہ الرحمہ جو صرف صوفی و شاعر یگانہ تھے بلکہ زبر دست صاحب علم وصاحب درس بھی تھے، جیساکہ فاضل محترم جناب ڈاکٹر سید لطیف حسین صاحب ادیب رقمطراز ہیں:

"آپ نے سلسلۂ درس شروع کیا کثیر تعداد میں ملکی اور غیر ملکی طلبہ آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ آپ طلبہ کی ضرورت کے مطابق کتابیں املا کرا دیتے تھے، وہی طلبہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان کتابوں کو اپنے بلاد اسلامیہ لے گئے (خیال یہ ہے کہ املا کرائی جانے والی کتابوں میں زیادہ تر وہ کتابیں ہوں گی جو بلاد اسلامیہ میں مروج نہ ہونگی/ ابوصہیب) جس کی وجہ سے حضرت شاہ نیاز احمد نیاز کو اپنی حیات ہی میں غیر معمولی احتشام میسر ہوا" (معارف مئی ۱۹۹۵ء)

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے میسر شدہ اس "احتشام" اور ان کے "بلند علمی مقام" کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات کسی طرح قرین قیاس نہیں سمجھی جا سکتی کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ان مناجاتی اشعار کو حضرت موصوف نے غزل سمجھا یا لکھا ہوگا، عنوان کی یہ تعبیر کسی ایسے شخص کی تعبیر معلوم ہوتی ہے جو شاید عربی شاعری کی ابجد اور اس کی معمولی اصطلاح سے بھی نابلد ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ کے متوسلین اہل عقیدت و محبت میں سے جو صاحب بھی آپ کے "عربی کلام" پر کام کا شوق رکھتے ہوں ان کی سہولت کے لیے اس عربی کلام

سے متعلق بحث وتحقیق کے مختلف گوشے زیر نظر مضمون میں سامنے رکھے جارہے ہیں، امید یہی ہے کہ طالبان تحقیق کو اپنی تحقیق میں اس سے مدد مل سکے گی۔

زیر بحث مخطوطہ کا عکس جتنا واضح اور صاف ہونا چاہیے تھا واقعہ یہی ہے کہ اتنا واضح نہیں ہے اور یہ بے سواد بصیرت کی کمی کے ساتھ ساتھ ضعف بصارت کا بھی مریض ہے، مخطوطہ کے عکس میں ترجمہ کا پڑھنا ایک مستقل مرحلہ محسوس ہوتا رہا ہے۔ اس لیے اس سلسلہ کی پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی کے ان "قصائد عربیہ" کی دوسری نقول بھی دریافت کرکے انہیں زیادہ صاف اور واضح طور پر شایع کیا جائے۔

فاضل محترم جناب ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب کو تو اس کی دوسری نقول کی واقفیت وباخبری حاصل ہے، ان کی نظر میں جناب مسعود حسین صاحب نظامی کا وہ مقالہ بھی ہے جواب سے تقریباً اٹھائیس سال پہلے معارف (مئی ۱۹۶۸ء) میں شایع ہوچکا ہے، موصوف کی نظر میں "ہدیٰ" ڈائجسٹ دہلی (بابت جون ۱۹۹۵ء) کا شمارہ بھی ہے جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب زیر بحث مناجات شایع ہوئی ہے۔

راقم السطور ان مراجع سے تہی دست اور ایسے تحقیقی کاموں کے لیے درکار ہمت وحرکت سے تقریباً محروم ومعذور ہے ورنہ کوشش کرتا کہ دوسرے طالبان تحقیق کے ساتھ کچھ تعاون کرسکوں۔

اس زیر بحث مناجات سے متعلق اپنی پرانی اور ذاتی معلومات کی بنیاد پر یہ انکشاف کرنا بہتر ہی ہوگا کہ راقم السطور نے اب سے تقریباً پچاس، پچپن سال

پہلے (بیسویں صدی کی چوتھی یا پانچویں دہائی میں) یہ مناجات بین السطور ترجمہ کے ساتھ ایک کتبہ کی شکل میں ایک صفحہ پر چھپی ہوئی خود اپنے گھر میں آویزاں دیکھی تھی جو میرے برادر محترم علیہ الرحمہ کہیں سے لائے تھے۔

یہ مناجات ہم دونوں ہی بھائی اکثر اپنی رو میں پڑھتے رہتے تھے، ہم لوگ خاندانی و نسبی لحاظ سے بھی اس مناجات کے ساتھ ایک طرح کا جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔

اب معارف میں شایع شدہ اشعار مناجات دیکھ کر مجھے ذاتی طور پر اتنا فیصلہ میں تو کوئی دشواری اور تامل محسوس نہیں ہو سکا کہ یہ شایع شدہ اشعار سب کے سب میرے پڑھے ہوئے بلکہ زبانی یاد بھی ہیں لیکن بعد کو جب بعض اہل علم کی طرف سے یہ بات علم میں آئی کہ اس مناجات کی نسبت حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف قابل اعتماد نہیں ہے بلکہ بعض حضرات نے یہاں تک بات کہدی کہ ان اشعار کی بحر (یعنی بحر رمل مثمن) عربی شاعری میں مروج ہی نہیں ہے اس کے بعد پھر اس تبرک کو محفوظ رکھنے کی فکر بھی نہیں کی گئی۔

اس عربی مناجات سے متعلق ان تمہیدی گزارشات کے بعد مخطوطہ کے عکس میں جو فروگذاشتیں اس ضعیف البصر کو بھی نظر آگئی ہیں وہ آیندہ سطور میں پیش کی جارہی ہیں۔

ان معروضات کا مقصد "خردہ گیری" ہرگز نہیں ہے لیکن چونکہ محترم ڈاکٹر لطیف حسین صاحب نے مخطوطہ کی اشاعت کے ساتھ ساتھ سلسلۂ نیازیہ کے وابستگان کو دعوت دی ہے کہ وہ آگے بڑھ کے اس کام کو آگے بڑھائیں، اس کی وجہ سے

بجا طور پر یہ توقع ہوگئی ہے کہ شاید یہ کام آگے بڑھے، ایسی صورت میں احقر کی یہ معروضات اگر طالبان تحقیق کے پیش نظر رہیں گی تو یہ تحقیقی کام بہتر سے بہتر طور پر انجام پا سکے گا۔

قسط سابق کی ترتیب کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں بھی ان فروگزاشتوں کی نشاندہی مقدم رکھی جائے جو اعراب و کتابت کی اغلاط کے تحت آئی ہوں۔ ملاحظہ ہو معارف بابت جون ۱۹۹۵ء صفحہ ۴۶۴ پر درج "خمسہ" کا پہلا شعر (فرمودۂ حضرت شاہ نیاز احمد نیاز علیہ الرحمہ)

"رَبِّ خَرِجْ قلبی واکشف الغم الثقیل"

انت لی فی الدین والدنیا وکیلی والکفیل"

یہ شعر مخطوطہ کے عکس میں صاف نہیں آسکا ہے، لفظ خرِجْ کا انداز کتابت کچھ ایسا شکست ہوگیا ہے کہ جیم کے بعد ہا کا اضافہ سا لگتا ہے خرجہ سا لکھا ہوا ہے، اگر واقعتاً ایسا ہی ہے تو یہ ہا غلط ہے اسے آپ ہائے غضب کی بجائے "ہائے غلط" فرمالیں اور غم کا لفظ بھی صاف نہیں آیا ہے، غم تو یوں بھی سیاہ و تاریک کہا اور سمجھا جاتا ہے، عکس میں تو یہ بالکل ہی روسیاہ ہو کر سامنے آیا ہے۔

اسی خمسہ کا پانچواں مصرع (جو اصل مناجات کا دوسرا مصرع ہے) ملاحظہ ہو:

ع "مُفلِسٌ بِالقصدِ قَدْ یَاتِی عِنْدَ بابکَ یاجلیل"

بابک میں دوسری با کو کسرہ (زیر) ہونا چاہیے کہ وہ عند کا مضاف الیہ ہے مگر عکس میں زبردستی زبر (فتحہ) دیدیا گیا ہے۔

(۲) دوسرے خمسہ کا پہلا مصرع ملاحظہ ہو:

ع "ضاءَ عمرہٗ فی ھویٰ نفسٍ وفی لعبٍ وّلھو"

خط کشیدہ لفظ ضاء عکس مخطوط میں ء (ہمزہ) ہی دکھائی دے رہا ہے، اگر یہ میری عین بصارت کی کمزوری کا نتیجہ نہیں ہے تو ناقل وکاتب کی عین غلطی ہے کہ بجائے پوری ع لکھنے کے عین کا صرف سرء بنا دیا جو ہمزہ ہی سمجھا اور پڑھا جائے گا، اس نے یہ نہ سوچا کہ اس کی اس معمولی سی غلطی کی وجہ سے شاعر کا مطلب ہی کچھ سے کچھ ہو جائے گا کیونکہ ضاع اگر عین سے لکھا جائے تو معنی ضایع ہونے، اکارت جانے کے ہوں گے اور اگر ضاء ہمزہ کے ساتھ لکھا جائے تو معنی روشن وتابناک ہونے کے ہوں گے۔

شاعر بزرگوار حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ تو یہ فرما رہے ہیں کہ ان کی عمر خواہش نفس اور لعب ولہو میں ضایع اور اکارت گئی اور ناقل وکاتب نے عین کو ہمزہ بنا کر یہ مطلب پیدا کر دیا کہ ان کی عمر خواہش نفس اور لعب ولہو کی وجہ سے روشن وتابناک ہو گئی، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، استغفر اللہ ومعاذ اللہ۔

ضاع اور ضاء سے متعلق یہ گفتگو کرتے ہوئے عربی ادب کی ابتدائی کتاب نفحۃ الیمن کی ایک حکایت یاد آگئی۔ اب سے تقریباً ساٹھ سال پہلے نفحۃ الیمن پڑھی تھی، کتاب اس وقت پیش نظر نہیں ہے، یادداشت کی بنیاد پر وہ حکایت نقل کرتا ہوں، اگر کوئی سہو ہو تو اہل علم تسامح فرمائیں۔

مشہور خلیفہ وبادشاہ ہارون رشید کے محل میں "خالصہ" نامی ایک کنیز تھی، یہ بادشاہ کو بہت عزیز تھی، ہارون رشید نے اسے ایک بیش قیمت ہار پہنا رکھا تھا۔ ایک بار اس کے درباری شاعر ابو نواس نے بادشاہ کی شان میں کچھ اشعار کہے

اور انعام کا امیدوار ہوا مگر انعام نہ ملا تو ہجو کا راستہ اختیار کیا اور دربار سے باہر جاکر محل کے دروازہ پر یہ شعر لکھتا ہوا چلا گیا ؎

لقد ضاع شعری علی بابکم کما ضاع عقد علی خالصہ

میرے اشعار آپ کے دربار میں ایسے ہی ضائع ہوئے جیسے خالصہ کے گلے میں ہار ضایع ہوا ہے۔ بادشاہ کو اس حرکت کی اطلاع دی گئی، ابونواس کی فوراً طلبی ہوئی۔ صورتحال سمجھ گیا اور محل میں داخل ہوتے ہوتے دونوں مصرعوں میں ضاع کے عین کا نصف حصہ صاف کرتا گیا، اب شعر یوں ہو گیا تھا ؎

لقد ضاء شعری علی بابکم کما ضاء عقد علی خالصہ

میرے اشعار آپ کے دربار میں ایسے چمک گئے جیسے خالصہ کے گلے میں ہار جگمگا رہا ہے۔ ابونواس کی اس حرکت پر جو ادبی فقرہ کہا گیا ہے وہ نہایت ہی برجستہ اور پُرلطف ہے، فقرہ کہا گیا کہ ھذا شعر قلعت یا فقئت) عیناہ فابصر" یہ ایسا شعر ہے جس کے دونوں عین (دونوں آنکھیں) پھوڑ دی گئیں تو بصارت آگئی۔

معروضات کی خشکی و بے مزگی دور کرنے کے لیے یہ حکایت بے تکلف لکھدی گئی، کچھ ایسی ہی صورت یہاں بھی ہو گئی ہے۔

(۳) چوتھے مخمس میں بند کے اصل مناجات کے دونوں مصرعوں میں کتابت کی چھوٹی موٹی فروگزاشتیں موجود ہیں ان کی اصلاح و تصحیح ہو جانی چاہیے۔

مصرع اولی میں " ذنوب " کا لفظ ذال کے زبر کے ساتھ (بالفتح) ذَنُوب لکھا گیا ہے جبکہ یہ لفظ ذنب (بمعنی گناہ) کی جمع " ذُنوب " ہے جو بالضم آتی ہے بالفتح نہیں۔

مصرع ثانیہ میں "وَاصْفَح" (درگزر کر) کے معنی میں صیغہ امر حاضر ہے یہ لفظ صرف ہمزہ کے ساتھ ہے اسے الف ولام کے ساتھ "والصفح" لکھدیا گیا ہے، ہاں اس کے بعد کا لفظ ضرور "الصفح الجمیل" ہے، وہ درست ہے۔

(۴) پانچویں مخمس کا چوتھا مصرع (یعنی اصل شعر کا پہلا مصرع) دیکھیے۔ مصرع یوں لکھا گیا ہے "قُل لنارٍ اُبرِدی یارَبِّ فی حقی کما" اس میں نارٍ بالتنوین بغیر اضافت ہائے متکلم تحریر ہے اور "اُبرِدی" امر صیغہ واحد مونث حاضر میں ہمزہ تو مفہوم صحیح لکھا گیا ہے لیکن راء کو مکسور لکھدیا گیا ہے یہ تو بہرحال غلط ہے کیونکہ یہ لفظ باب نصر سے مضموم العین ہی آتا ہے اور مضارع مضموم العین کی صورت میں امر کا صیغہ بھی مضموم العین ہی ہوتا ہے، مضارع اگر مکسور العین (باب ضرب سے) ہوتا تو ہمزہ بھی مکسور ہوتا اور امر بھی مکسور العین ہوتا۔ ہمزۂ مضموم کہیں بھی مکسور العین کے ساتھ جمع نہیں ہوتا ہے۔

اوپر لکھ چکا ہوں کہ یہ مناجات ایک زمانے میں ایک مدت تک ہمارے گھر میں آویزاں تھی اور تقریباً تمام ہی شعر مجھے اب تک زبانی یاد یا ذہن میں محفوظ ہیں، مجھے ایسا ہی یاد ہے کہ یہ لفظ "قل لناری" ہے یعنی "آپ میری نارِ دوزخ سے فرما دیجئے کہ وہ ٹھنڈی ہو جائے۔ اگر مخطوطہ کے مطابق ہائے متکلم نہ ہوگی تو یہ نسبت کا لطف باقی نہ رہے گا، ویسے اگر کسی صاحب کو اس کی صحت کا یقین و اصرار ہو تو احقر اسے بحث کا موضوع صرف اس وجہ سے بنانا پسند نہ کرے گا کہ اسے تو اسی طرح یاد ہے، "یاد" قابل اعتماد یا لائق استناد نہیں ہو سکتی۔

یہ بات صرف اس لیے لکھدی گئی کہ طالبان تحقیق میں سے جو صاحب آگے

بڑھیں وہ اس لفظ کے اس پہلو پر بھی نظر رکھیں کہ اصل مناجات میں یہ لفظ کس طرح آیا ہے۔

(۵) چھٹے مخمس میں تضمین کا تیسرا مصرع یوں ہے ع

"اَبْقَنِیْ بِاللطف فِی العُقبیٰ بجنّاتِ نعیم"

اس مصرع کے اول و آخر کے دونوں لفظ (جو خط کشیدہ ہیں) اصلاح طلب نظر آتے ہیں، پہلا لفظ اَبْقِنِیْ" قاف کے کسرہ کے ساتھ ہونا چاہیے کہ یہ لفظ اِبْقا (بابِ افعال) کا صیغۂ امر ہے، باب افعال میں امر کا وزن اَفْعِل عین کلمہ کے کسرہ ہی کے ساتھ متعین ہے' قاف کو زبر دیدینا غلط اور زبردستی کا مصداق ہوگا اِبقا کا امر اَبْقِ آتا ہے۔ مصرع کا آخری فقرہ" بجنات نعیم" بھی محل غور ہے۔ قرآن مجید میں اس طرح کا فقرہ شاید دو ہی طرح سے آیا ہے، سورۂ طور میں ہے: "اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ" یہاں جنات اور نعیم کو واوٗ عطف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، دوسری جگہ سورۂ واقعہ میں یوں آیا ہے" اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ" یہاں ترکیب اضافی کے ساتھ یہ دونوں لفظ آئے ہیں۔

بظاہر یہی بات سمجھ میں آتی ہے' حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس دوسری آیت سے اقتباس فرمایا ہوگا لیکن چونکہ شعر کے وزن کی مجبوری تھی، حرف جر فی نہیں لا سکتے تھے اس لیے فی کی جگہ بائے آئے ہوں گے، لیکن ان دونوں کو ترکیب اضافی کے ساتھ لانے میں کوئی مجبوری نہ تھی" بجنات النعیم" کا فقرہ بھی وزن میں آجاتا ہے اس لیے دوسری نقول سے مراجعت کے بعد ہی فیصلہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نے کیا فرمایا ہے؟۔

(۶) چھٹے مخمس کے بند کے دونوں ہی مصرعے اصلاح طلب ہیں، بند کا شعر یوں تحریر ہے:

رَبِّ ھَبْ لِی کَنْزَ فَضْلٍ اَنْتَ وَھَّابٌ کَرِیم ÷ اَنْتِیْ مَافِی ضَمِیْرِیْ دُلَّنِیْ غَیْرَ الدَّلِیل

مخطوطہ میں ھَبْ لی کو ھَبْلِی لکھا گیا ہے یہ اصولی طور پر غلط ہے، ھَبْ صیغہ امر ہے، لی (جار و مجرور) اس سے متعلق ہے، یہ دونوں دو علٰحدہ علٰحدہ لفظ ہیں انہیں ایک ساتھ ملا کر لکھنا جس طرح مخطوطہ میں لکھا گیا ہے غلط فہمی کا موجب بھی ہے اور غلط بھی ہے، یہاں پر دوسری غلطی کنز فضل کا اعراب ہے، یہ فقرہ ھب کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں ہے، کنز کی زار کو مفتوح لکھنا تھا لیکن کاتب صاحب نے خیال کیا کہ کنز خزانہ ہے مفتوح (کھلا ہوا) نہ رہنا چاہیے، اس لیے اسے ضم کر دیا، پیش کے ساتھ لکھ دیا، شعر کے دوسرے مصرع میں ضمیری کی را عکس میں واضح نہیں آسکی ہے، غیر عربی داں اسے آسانی سے نہ پڑھ سکے گا۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ ایک صاحب کے پاس حضرت حاجی امداد اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے متعدد رسائل کا مجموعہ دیکھنے کو مل گیا، ان رسائل میں حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمہ کا ایک رسالہ جہاد اکبر بھی شامل ہے جس کے ساتھ ہی ان کا کچھ منظوم کلام "نالۂ امداد غریب" کے عنوان سے موجود ہے، اس نالۂ امداد غریب میں ایک مخمس بھی ہے جو اسی زیر بحث "مناجات" پر بشکل تضمین کہی گئی ہے، اس تضمین کی نقل راقم نے اپنے پاس رکھ لی ہے، ضرورت پر اس کے حوالہ سے بات لکھتا رہوں گا۔ واضح رہے کہ یہ تضمین اردو میں ہے۔ اس میں دوسرے مصرع میں اُنْتِیْ کی بجائے اَعْطِنِیْ چھپا ہوا ہے جو زیادہ اچھی تعبیر ہے۔ (باقی)

حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی کا عربی کلام

از جناب ابو صہیب رومی مچھلی شہری

(۲)

(۷) مخطوطہ کے ساتویں خمسے میں بند کے شعر کا دوسرا مصرع یہ ہے:

ع أَنْتَ یا صدیق عاصی تب الی المولیٰ الجلیل زیر بحث مناجات کے اسی مصرع نے اس مناجات کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرنے کی بات کو تقویت دے دی ہے، اس نسبت کی صحت و حقیقت سے بحث تو شاید آگے ہو سکے یہاں تو سردست اعراب و کتابت سے متعلق فروگذاشتوں ہی تک بات کو محدود رکھنا ہے۔

اس مصرع میں اعرابی غلطی یہ ہے کہ دوسرے مصرع میں یا صدیق کے تخلص کے بعد (یہ لطیفہ ملحوظ رہے کہ عربی شاعری میں تخلص کا رواج مطلق نہ تھا شاید ہی تلاش بسیار کے بعد کسی شعر میں شاعر کا تخلص برآمد کیا جا سکے گا، مگر حضرت صدیق ایسے شاعر ہیں کہ تخلص موجود ہے) عاصی کا لفظ آیا ہے جو اسم منقوص ہے اور غیر معرف باللام ہی ہے جس کا اعراب حذف یاء کے بعد تنوین کی صورت میں ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ عاصی (بالیاء) کی جائے بغیر یاء کے تنوین کے ساتھ عاصٍ لکھنا چاہیے تھا، اس کی وجہ سے مصرع کا وزن بھی متاثر نہیں ہو رہا تھا

پھر بھی قاعدہ کی خلاف ورزی کی گئی یہ غلطی کس کی ہے؟ کاتب کی یا شاعر کی؟ اسکا فیصلہ راقم السطور نہیں کرنا چاہتا اس لیے اسے اس راہ کے محققین کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔

مخطوطہ کے مطابق مندرجہ بالا شعر جس میں شاعر کا تخلص بھی ہے۔ ساتویں مخمس میں دیا گیا ہے، جس کے بعد مناجات کے بقیہ چار مخمس لکھے گئے ہیں۔ حضرت شاہ نیاز احمد نیاز علیہ الرحمہ نے بھی اسی ساتویں ہی مخمس میں خود اپنا تخلص آگی استعمال فرمایا ہے حالانکہ تخلص آخری شعر میں اور بصورت تخمیس آخری بند میں استعمال ہوتا ہے اس لیے تخلص والے آخری شعر اور خمسہ جات کے آخری مخمس کو گیارھویں نمبر سے ساتویں نمبر پر کیسے پہنچا دیا گیا۔ کاتب مخطوطہ کیا شعر و شاعری سے متعلق اس درجہ کی "جنرل نالج" نہیں رکھتے تھے کہ تخلص مقطع میں ہوتا ہے اور مقطع آخر میں ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمہ کی تخمیس شعری قاعدہ کے مطابق ہے اس میں یہ شعر مناجات کا گیارھواں شعر ہے اور اس کا خمسہ گیارھواں خمسہ ہے، اسی خمسہ میں حاجی صاحب کا تخلص "غریب" موجود ہے۔ پورا خمسہ ملاحظہ فرمالیا جائے۔

ہوش میں آ اے غریب سرخوش جام صبوح　　کر عمل اچھے برے ہوتے ہیں افعال قبوح
کیا بھروسا زندگی کا ہے مسافر تن میں روح　　این موسیٰ این عیسیٰ این یحییٰ این نوح

انت یا صدیق عاصی تب الی المولیٰ الجلیل

(نالہ امداد غریب مشمولہ رسالہ جہاد اکبر ناشر راشد کمپنی دیوبند ص ۱۹ تا ۲۱)

(۸) نویں مخمس کے آخری تین مصرعے یوں تحریر کیے گئے ہیں:

ضاع عمرۂ فی ھوی نفس و فی طول الامل　　کیف حالی یا الٰہی لیس لی خیر العمل
سوء اعمالی کثیر ا زاد طاعاتی قلیل

پہلی غلطی جو مخمس کے تیسرے مصرع میں ہے یہ کوئی نئی غلطی نہیں ہے بلکہ یہ اسی روشن و تابناک غلطی کا اعادہ ہے جسے ہم دوسرے مخمس کے پہلے مصرع کے تحت اوپر لکھ آئے ہیں، یہاں بھی ناقل وہ تب میں سے کسی ایک نے یا دونوں نے اجتماعی طور پر ضآع کے عین کو ادھورا لکھ کر ء (ہمزہ) کی شکل دے دی ہے۔ جس کی وجہ سے ضآع کی صرف عین ہی غائب نہیں ہوئی بلکہ پورا شعر ہی فاقدالعین (کور چشم اور اندھا) ہو کر رہ گیا ہے، حضرت شاعر کی طرف ایک ایسی بات منسوب ہو گئی ہے جس سے وہ ہزار بار پناہ چاہیں گے۔

دوسری غلطی چوتھے مصرع میں آئے ہوئے لفظ خیرالعمل کا اعراب ہے جو مخطوطہ میں خیر کی را کے فتحہ کے ساتھ مفتوح دکھلایا گیا ہے حالانکہ خیرالعمل لیس (فعل ناقص) کا اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہی لکھا جانا چاہیے تھا۔

تیسری اور چوتھی غلطی پانچویں مصرع کے دو الفاظ (سوءُ العمالی کثیرؔ اور زادُ طاعاتی) کے اعراب سے متعلق ہے۔ کثیر کا لفظ سوء اعمالی کی خبر ہے جو مرفوع ہونی تھی اسی طرح زادُ طاعاتی میں زاد کا لفظ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا تھا مگر کاتب کی بے خبری دیکھئے ع اسے نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم، دونوں ہی جگہ زبردستی زبر لگا دیا ہے۔

(۹) دسویں بند کے دونوں ہی مصرعوں میں غلطیاں ہیں اور شہرت کے مطابق یہ دونوں مصرعے گویا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمودہ ہیں اس وجہ سے ان میں غلطی کیسی سنگین بن جاتی ہے۔ پورا شعر مخطوطہ میں یوں لکھا گیا ہے ؎

اِنَّ لِی قَلْبٌ سَلِیْمُ اَنْتَ مَنْ یَّشْفِ العَلِیل وَاشْفِ عَنِّی کُلَّ دَاءٍ وَاقْضِ عَنِّی حَاجَتِی

دونوں مصرعوں کے خط کشیدہ فقرے محل غور ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اشف عنی کل داءٍ کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ اے اللہ میری طرف سے تو ہر بیماری کو شفا دے دے یعنی مریض کو شفا دینے کی بجائے خود بیماری کے لیے شفا چاہی جا رہی ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ کسی اناڑی معالج کی مضحکہ خیزی کے وقت کہہ دیتے ہیں کہ ایسی دوا دیدی کہ نہ مرض رہا نہ مریض، بات کی سیدھی سی تعبیر یہی تھی کہ یوں کہا جاتا "اشفنی من کل داءٍ" (مجھکو ہر بیماری سے شفا دے دیجئے) اس سیدھی سی تعبیر کو چھوڑ کر اشف عنی کل داءٍ کہنے میں کیا نکتہ ہے؟ اسے دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔

ویسے حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمہ کی تضمین والی نظم میں یہ مصرع یوں ہے اور بالکل صاف ہے ع عافنی من کل داءٍ واقض عنی حاجتی" اس شعر میں دوسری غلطی دوسرے مصرع میں ہے جو قلبٌ سلیمٌ کا غلط اعراب ہے قلبٌ سلیمٌ اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہونا تھا مگر بے خبری میں اسے پیش دیدیا گیا ہے۔

(۱۰) مناجات کے آخری مخمس ۱۲ میں دوسرا مصرع یوں ہے:

ع مِنْکَ عَفْوٌ اُرْتَجِی یارَبِّ فاجعلنا معاف"

اس مصرع کا آخری لفظ معاف (جو خط کشیدہ ہے) قابل غور اور لایق توجہ ہے، غور یہ کرنا ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے یہ لفظ معاف عفو کے ساتھ اسی سیاق میں اور اسی (عفو و درگذر کے) مفہوم میں استعمال فرمایا ہے اور یہ درست ہے کہ معاف اردو و فارسی زبان میں اس مفہوم میں بولا بھی جاتا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ معاف اپنی اسی شکل و صورت کے ساتھ عربی لفظ نہیں ہے کیونکہ

"عفو" کے مادہ سے جب باب مفاعلۃ میں بولیں گے تو مصدر معافاۃ ہوگا جس کا اسم فاعل مُعافی (عافیت دینے والا یا عفو فرمانے والا) ہوگا اور اسم مفعول مُعافیٰ ہوگا معاف بحذف مقصورہ نہیں ہوگا۔ معافیٰ میں حذف یاء کا تصرف فارسی والوں نے کیا ہے ایران و فارس کے توسط سے یہ لفظ اردو میں بھی آگیا ہے لیکن عربی زبان یا اس کا استعمال خلاف عربیت اور غماز عجمیت ہے۔ صاحب غیاث لکھتے ہیں:

"معاف بضم میم در اصل معافی بود بر وزن مُنادی اسم مفعول از باب مفاعلہ کہ مصدرش معافاۃ بر وزن مناجاۃ ماخوذ از عفو پس در استعمال فارسیاں الف از آخر معافی کہ مقلوب از یائے ساقط شدہ چنانکہ در لفظ صاف کہ در اصل صافی بود صیغہ اسم فاعل در استعمال فارسیاں یا از آخر آں افتاد یا چنانکہ لفظ متعال کہ در اصل متعالی بود یا از آخر آں در حالت وقف ساقط شدہ پس معاف بفتح میم چنانکہ شہرت دارد غلط است۔" (غیاث اللغات)

صاحب غیاث اللغات نے پوری بات صاف کر دی ہے کہ معاف سے یاء (الف مقصورہ) کا حذف اہل فارس کا تصرف ہے اور یہ کہ فارسی یا اردو میں بھی یہ لفظ ضم میم کے ساتھ بولا جانا چاہیے۔ میم کے فتحہ کے ساتھ اردو و فارسی میں بھی درست نہیں ہے۔

مخطوطہ میں شامل تین قسم کے مجموعی ۴۶ خمسہ جات کے کلمات کے اعراب و کتابت کی غلطیوں کا **مفصل جائزہ** لینے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام عربی کی عربیت و ادبیت سے متعلق مسامحات کا بھی بقدر ضرورت ایک سرسری جائزہ لے لیا جائے۔ تاکہ اس سلسلہ میں آئندہ کام کرنے والوں کے لیے اپنے

تحقیقی مقالہ کی تیاری کے لیے مختلف و متعدد موضوعات بحث و تحقیق دستیاب رہیں اور بانی سلسلہ نیازیہ حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی علیہ الرحمہ کے عربی کلام پر تحقیقی کام ان کی شہرت و مرتبت کے شایان شان طور پر انجام پا سکے -

دستیاب شدہ کلام عربی کے مخطوطہ کے مطابق خمسہ جات کا پہلا مجموعہ جو ۳۲ بندوں پر مشتمل ہے اس خمسہ اول کا چوتھا مخمس ملاحظہ ہو، پورا مخمس نقل کرنا موجب طوالت ہے، اس کا تیسرا مصرع قابل غور ہے، مصرع یہ ہے :

ع "اٰتِنِیْ یا سیدی منی النجاۃ " (یہاں اس بات پر انتباہ چنداں ضروری نہیں ہے کہ ضرورت شعری اور ضرورت قافیہ کی وجہ سے النجاۃ کی تائے مدورہ کو مستطیلہ لکھا گیا ہے)

مجھے تو یہ عرض کرنا ہے کہ اس مصرع کا مفہوم کچھ مبہم اور غیر واضح ہے جناب مترجم کے ترجمہ سے بھی کوئی مفہوم ہاتھ نہ آسکا، ان کا ترجمہ یہ ہے "عطا کر دو اے میرے سردار[1] میری ہستی سے رہائی"

اس ترجمہ میں ہستی کا مفہوم فاضل مترجم نے کس لفظ سے اخذ کیا ہے ؟ پتہ نہیں چلتا حالانکہ موصوف بالعموم تحت اللفظ ہی ترجمہ کے عادی ہیں مگر یہاں انہیں اپنے ترجمہ میں ہستی کا لفظ و مفہوم بڑھانا ہی پڑ گیا، ان کے اسی اضافہ نے فہم شعر کا راستہ کچھ آسان کر دیا مگر مصرع کا مفہوم کما حقہ واضح نہ ہو سکا، اگر وہ مصرع کا ترجمہ یوں فرما دیتے تو بات شاید زیادہ واضح ہو جاتی کہ " اے میرے سردار مجھ کو ہستی سے رہائی عطا فرما دیجئے "

---

[1] معارف : نقل مطابق اصل نہیں ہے۔ اصل ترجمہ میں " سردار میرے " ہے۔

مصرع کے الفاظ و ترکیب پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ جو کچھ فرمانا چاہتے ہیں وہ اس چھوٹی سی بحر کے ایک مصرع میں واضح طور پر ادا نہیں ہو سکا ہے یا تو مناسب الفاظ ذہن میں مستحضر نہ تھے یا جو مستحضر تھے وہ ادائے مطلب کے لیے ناکافی رہے۔ مجموعی طور پر مصرع کے الفاظ کی بندش و ترکیب چست نہیں ہو سکی۔

(۲) اسی "خمسۂ اول" کے پانچویں مخمس میں دوسرے مصرع پر نگاہ توجہ ذرا اٹکتی ہے۔ اس مصرع میں ایک فقرہ یہ ہے" من ھموم ات البلایا"، صرفی قواعد کے تحت یہ دونوں ہی جمع الجمع کے صیغے ہیں[1] کسی بڑے سے بڑے صرفی بلکہ صراف کی یہ مجال نہ ہوگی کہ وہ اسے غلط کہہ سکے لیکن ادب کے ذوق لطیف پر یہ ترکیب ان دونوں جمع الجموع کا مجمع گراں ضرور محسوس ہوگا، جمع الجمع کا استعمال حد جواز میں ضرور ہے لیکن اہل علم کی فصیح عبارات میں مشکل ہی سے دستیاب ہوگا۔

(۳) چھٹے مخمس کے پہلے ہی مصرع میں قافیہ کا لفظ" انتضاج " (پختگی) کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اب تک یہ لفظ مجرد سے اور باب افعال سے مستعمل ہوتے سنا تھا، منضج تو اطباء کے یہاں کثرت سے بولا اور لکھا جاتا ہے، لیکن یہ انتضاج بالکل غیر مانوس اور نیا سا لگا، المنجد دیکھی اس میں نہیں مل سکا ہے۔ تحقیقی کام کرنے والوں کو اس نئے عربی لغت میں غیر موجود لفظ کی سند اور حوالہ کی بھی تلاش کرنا ہوگی، ممکن ہے لغت کی بڑی کتابوں میں کوئی سند مل جائے۔

---

[1] معارف: مگر بلایا تو بلیہ کی جمع ہے۔

(۴) دسویں مخمس کے پہلے اور دوسرے مصرعوں میں ھمومات البلا کے ساتھ ساتھ غمومات الخنطا کے فقروں پہ بھی نگاہ توجہ ٹھہر گئی۔ دونوں ہی فقرے دائرہ جواز میں رہتے ہوئے بھی ہندی عجمیت کی غمازی تو کرہی رہے ہیں۔ اس مخمس کا تیسرا مصرع یہ ہے جو قابل توجہ ہے ع "مالشیئ مثلکم حکم النفاذ"

بظاہر یہاں بھی وہی صورت ہے کہ ادائے خیال کے لیے مناسب الفاظ اور مستقیم تعبیر پر دسترس نہ ہو سکی اور خیال و الفاظ کی چولیں باہم نہ مل سکیں۔

مترجم صاحب نے بالکل ٹکسالی انداز کا تحت اللفظ ترجمہ یوں فرمایا ہے:

"نہیں ہے[1] کسی چیز کو مثل تمہارے حکم کے جاری ہونا"

اس ترجمہ کو دیکھتے ہی صاف پتہ چل جاتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا منظوم فرمودہ خیال مترجم صاحب کی گرفت میں نہیں آرہا ہے اور ٹھیٹھ قسم کا لفظی ترجمہ فرماکر عہدہ برآ ہو جانا چاہتے ہیں۔

راقم السطور کے فہم ناقص میں مصرع کا یہ مطلب بہ تکلف نکالا جاسکتا ہے شاہ صاحب فرمانا چاہتے ہیں کہ

اے ممدوح! کسی چیز کو حکم نفاذ دینے والا تم جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے یعنی ہر چیز صرف تمہارے ہی حکم سے نافذ ہوتی ہے۔ مگر یہ مطلب نکالنا پڑتا ہے خود بخود نہیں نکلتا، پھر اس مطلب پر جو اعتقادی ضرب پڑتی ہے وہ یہاں زیر بحث نہیں ہے۔ اس قسم کی مدح خود اس ممدوح کو پسند آئے گی یا نہیں؟ وَ إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ الخ کی تفسیر ان سے

---

[1] معارف: "ہے" مضمون نگار کا اضافہ ہے۔

زیادہ کیسے معلوم ہوگی؟

اسی لیے یہ بات عرض کی گئی کہ اس مصرع کا مفہوم غیر واضح ہے کوئی ایسا مفہوم جو حضرات مادح و ممدوح کے مطابق حال بھی ہو اور مصرع کے الفاظ سے بآسانی خود ہی سمجھ میں آسکے، ہمیں متعین کرنا ہوگا۔

(۵) بارہویں بند کے پہلے اور دوسرے مصرع کے قافیے فایز اور جایز استعمال کیے گئے ہیں ان دونوں ہی قافیوں میں حرف قافیہ زار سے پہلا حرف ہمزہ یا یاء ہے، لگاتار دو مصرعوں میں یا کا التزام کر لینے کے بعد تیسرے مصرع عاجز کا قافیہ تنگی قافیہ اور عجز شاعر کی غمازی کر رہا ہے، بہتر صورت یہی تھی کہ اوپر کے دو مصرعوں میں لگاتار یہ التزام نہ کیا گیا ہوتا۔

راقم السطور فن شاعری کی نزاکتوں اور باریکیوں سے زیادہ واقف نہیں ہے، یہ موشگافیاں صرف اس لیے کی جارہی ہیں کہ تحقیقی کام کرنے والے حضرات جب کام کریں تو بحث کی ان باتوں کو بھی صاف کر کے حق تحقیق ادا کریں۔

(۶) پندرہویں خمسے میں دو ایک چھوٹی چھوٹی فروگزاشتیں ہیں جن کا ذکر مضمون کی قسط اول ہی میں آنا چاہیے تھا۔

پہلے مصرع میں " بالاختصاص" تو صحیح لکھا گیا ہے لیکن ترجمہ میں بالخصوص کو باالخصوص لکھ دیا ہے" الف لام" والا الف جب بار کے ساتھ شامل کر دیا گیا تو پھر علیحدہ لکھنا تکرار ہے اور غلط ہے۔ اسی طرح غُصّتُ کے لفظ میں (جو دوسرے مصرع کا پہلا لفظ ہے) غین کو ضمہ ہونا چاہیے لیکن کاتب کی زبردستی یہاں بھی ہوگئی اور

غین کو زبر دے دیا ہے۔

(۷) سترہویں مخمس میں پہلے مصرع کا قافیہ "انضباط" ہے جو اردو میں ضرور مستعمل ہے لیکن عربی کی متداول کتب میں یہ مادہ باب انفعال سے مستعمل نہ مل سکا ہے ممکن ہے کہ زیادہ تلاش و تفحص سے کام لیا جائے تو شاید کسی لغت میں سند مل جائے۔ ویسے اردو زبان میں اس طرح کے بعض دوسرے الفاظ بھی ہیں جو عربی سمجھ کر بولے اور لکھے جاتے ہیں لیکن عربی کی کتب لغت نے انہیں عربیت کی سند نہیں دی ہے، اس سلسلہ میں خود اپنا ہی ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں:

راقم کی تعلیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوئی ہے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، وہاں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوری علیہ الرحمہ (جو حضرت مفتی سعد اللہ صاحب رامپور کے پوتے تھے) احقر کے نہایت شفیق استاد و مربی تھے، ادب و زبان کے مضامین سے تھوڑا بہت جو کچھ بھی لگاؤ ہوا ہے موصوف ہی کی تربیت و تمرین کا رہین منت ہے، استاذ محترم سے ایک بار کہیں سُن لیا کہ لفظ تنقید عربی لغت کا لفظ نہیں ہے، اردو والوں نے عربی وزن پر بنا لیا ہے، (بعد کو جب "نگار" کے "انتقادیات" سے واقفیت ہوئی تو معلوم ہوا کہ بات یہی ہے)

راقم جس وقت نفحۃ الیمن پڑھتا تھا اس پر ایک مشہور عالم و ادیب کا حاشیہ تھا، موصوف نے اپنے حاشیہ سے متعلق ایک بڑے عالم و بزرگ سے تقریظ لکھوائی تھی اور تقریظ سے پہلے اپنی طرف سے جو عربی عبارت لکھی تھی اس میں تقریظ کے ساتھ ساتھ تنقید کا لفظ بھی تحریر فرما دیا تھا، ایک موقع پر

ان صاحب تحشیہ عالم سے ملاقات ہوگئی، اب یہ طالب علمانہ شوخی ہی تھی کہ بے تکلف ان سے دریافت کر ہی لیا کہ حفظ تنقید عربی زبان میں مستعمل ہے یا نہیں ؟ اس استفسار کا جواب انہیں پوری علمی ذمہ داری سے دینا تھا، فرمایا کہ نہیں یہ لفظ عربی زبان میں مستعمل نہیں ہے، اب میں نے دوسرا استفسار کر دیا کہ آپ نے نفحۃ الیمن کے اپنے حاشیہ سے متعلق فلاں بزرگ کی جو تقریظ شایع کی ہے وہاں آپ نے تقریظ کے ساتھ ہی ساتھ تنقید کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے، موصوف علیہ الرحمہ نے اپنی عالی ظرفی اور علمی دیانت کو ملحوظ رکھا اور جواب میں کسی حجت دحیل اور توجیہ وتاویل کا طریقہ نہیں اپنایا حالانکہ ملاؤں کو بدنام کرنے والوں نے یہ ضرب المثل بھی مشہور کر دی ہے کہ :

" ملا آں باشد کہ چپ نشود "

بات صرف اتنی تھی کہ رواج عام کے تحت بالکل بے خیالی میں تنقید کا لفظ وہ لکھ گئے تھے، میرے استفسار نے انہیں چونکا دیا اور پھر انہوں نے وہی صحیح جواب دیا جو اہل حق صاحب علم کی شایان شان تھا۔

بہت ممکن ہے کہ یہی صورت یہاں لفظ " انضباط " کے معاملہ میں بھی ہوگئی ہو اسی بنا پر راقم السطور نے ابتداءً ہی اپنے زیر نظر مضمون میں اشارۃً یہ بات لکھ دی تھی کہ اس قسم کی فروگذاشتیں اہل عجم بالخصوص اہل ہند کے عربی کلام میں ہو ہی جاتی رہیں۔

(۸) اسی سترہویں مخمس کا تیسرا مصرع یہ ہے " إنَّکَ تَھدِیْ بِلُودِیْ خَیرَ الصراط " یہاں تھدی کا لفظ ہدایت کا فعل مضارع ہے، عربی لغت و استعمال کے مطابق اگر ہدایت کے دو مفعول لائے جائیں گے تو پہلا مفعول بغیر حرف جر

استعمال ہوگا، البتہ دوسرے مفعول پر لام یا الیٰ کوئی سا ایک حرف جر استعمال ہوتا ہے، مصرع مذکور میں بھی دو مفعول لائے گئے ہیں پہلا مفعول الوریٰ (مخلوق) اور دوسرا مفعول خیر الصراط ہے، قاعدہ کے مطابق الوریٰ پر حرف جر نہ آئے گا ہاں خیر الصراط پر لام یا الیٰ آسکتا ہے، اس لیے کہا جارہا ہے کہ درست یہ صورت بھی ہے کہ ہر دو مفعول بغیر حرف جر مستعمل ہوں جیسے قرآن مجید میں سورۂ دہر میں ہے اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ یہاں دونوں ہی مفعول بغیر حرف جر استعمال ہوئے ہیں۔

اس قاعدہ کے مطابق للوریٰ پر لام حرف جر خلاف لغت استعمال ہے، خیر الصراط پر لام ہوتا اور الوریٰ پر نہ ہوتا تو بات ٹھیک ہوتی۔ اب دوسری نقول میں بلکہ خود حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی تحریر تلاش کرکے اس کو دیکھنا چاہیے کہ وہاں یہ مصرع کس طرح ہے؟

(۹) انیسویں مخمس میں تیسرا مصرع یوں ہے ع "سر عتی انظر بطر فی یاس یع"۔ اس میں خط کشیدہ فقرہ انظر بطر فی مختلف جہتوں سے محل غور ہے۔

(الف) لفظ طَرَف بفتحتین ہے جبکہ مصرع میں بسکون را لکھا گیا ہے اور مصرع میں موزوں بھی سکون را ہی کے ساتھ ہوگا۔

(ب) عربی لغت میں یہ لفظ سمت و جہت کے اس مفہوم میں مستعمل نہیں ہے جس مفہوم میں اردو زبان والے استعمال کرتے ہیں "المنجد" عربی زبان کی متداول لغت ہے، اس میں طرف کے مندرجہ ذیل معانی درج ہیں:

"ہر چیز کی حد، گوشہ، کسی چیز کا ٹکڑا، شریف آدمی"۔ المنجد کے معانی میں

سمت وجہت کے معنی موجود نہیں ہیں، اس معنی میں اس کا استعمال "خلاف عربیت" نظر آتا ہے، اچھا ہوگا کہ اس بات کی پوری تحقیق کرلی جائے۔

(ج) لفظ بطی فی پر جو حرف بار ہے بظاہر یہ "نظی کے صلہ میں آئی ہے" جبکہ نظی کا لفظ اور اس کے مشتقات یا تو بغیر کسی صلہ کے متعدی ہوتے ہیں یا پھر اس کے صلہ میں حرف اِلیٰ آتا ہے، حرف بار کا صلہ ہونا لغت سے دریافت نہیں ہو

(۱۰) بیسویں مخمس کا دوسرا مصرع یوں ہے ع مَنْ اَحَبَّكَ مِنْ هموم فارغ،

حضرت شاہ صاحب کا یہ مصرع ہے یا ان کی طرف غلط طور پر یہ عربی کلام بھی منسوب ہوگیا ہے؟ (یہ بحث بھی قابل غور ہے) واقعہ جاہے جو کچھ بھی ہو مخمس کا یہ مصرع اختصار وایجاز کا عجیب ونادر نمونہ ہے کہ "مَنْ اَحَبَّكَ" کے صرف دو لفظوں پر مشتمل پورا جملہ شرطیہ ہے اور بظاہر دوسرا جملہ اس کی جزا ہے جسے سزا یہ دی گئی ہے کہ صرف جار ومجرور ہی سے پوری جزا کا کام لے لیا گیا ہے۔ عربی قواعد نحو کے مطابق اسی جار ومجرور کا متعلق محذوف ہے جو بہ تقاضائے مفہوم شعر یہاں پر "صار" ہوسکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب جیسا عالم ومدرس قادر الکلام شاعر، عربی شاعری میں یوں عاجز وغیر قادر ہو جائے گا یہ بات قرین عقل وفہم نہیں کہی جاسکتی، اگر یہ کلام حضرت شاہ صاحب ہی کا ہے تو یہ صورت اسی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی ہے جس کی طرف اشارہ اوپر کی معروضات میں دوبار کیا جاچکا ہے کہ بحر بہت ہی چھوٹی ہے بڑی بات ادا کرنا دشوار ہوتا ہے ویسے تعبیر کی ایک دوسری صورت بھی ہوسکتی تھی مگر حذف سے مفر اس میں بھی نہ تھا وہ یہ کہ یہ مصرع یوں کہا جاتا:

"من احبک صار قلبہ فارغ"

(۱۱) اکتیسویں مخمس کا پہلا مصرع بھی قابل ملاحظہ ولایق توجہ ہے ع یا علی احسن علی امی غریب اس میں دو باتیں قابل غور و توجہ ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ عربی زبان و لغت کے مطابق احسان اور اس کے مشتقات کا صلہ الی یا با آتا ہے، علی نہیں آتا، اردو زبان بولنے والے اپنی زبان و روزمرہ کے مطابق اردو میں یوں ہی بولتے ہیں کہ اللہ تعالی کا مجھ پر بڑا احسان ہے یا مجھ پر آپ کا احسان ہے اور پھر اسی تپہ کی عربی کے طور پر عربی میں علی کا استعمال کرگذرتے ہیں جو یقیناً خلاف لغت و خلاف عربیت ہے۔

ایسی ہی باتوں کی وجہ سے اوپر اشارۃً عرض کر دیا گیا ہے کہ اہل عجم کے ہاں ایسی فرو گذاشتیں ہو جایا کرتی ہیں چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ عربی نصاب کی زیر درس عربی کتابوں میں بھی جو اہل ہند کی تصنیف کردہ مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں ان تک میں ایسی فرو گذاشتیں موجود ہیں۔

اس مصرع میں دوسری قابل توجہ بات لفظ "غریب" بیچارہ ہے، عربی قاعدہ کے مطابق یہ لفظ امی کی صفت ہے اور امی حضرت شاہ صاحب کا تخلص گرامی ہونے کی وجہ سے شان تعریف رکھتا ہے، اس کی شان کا تقاضا یہی تھا کہ اس کی صفت بھی شان تعریف سے متصف ہو لیکن مصرع میں بیچارے "غریب" کو نکرہ ہی رکھا گیا ہے۔ غریب کے ساتھ یہ سوتیلا پن غالب یہی ہے کہ کاتب نے کیا ہوگا اور ممکن یہ بھی ہے کہ اردو زبان کے روزمرہ کے مطابق امی کے ساتھ "غریب" یوں ہی بے خیالی میں بے قاعدہ استعمال ہو گیا ہو۔ اور چونکہ اس مخمس کے ابتدائی

تین مصرعوں میں امی غنی یب کا فقرہ تخلص مکرر ہوا ہے لہذا یہ فروگزاشت بھی مکرر سہ کرر ہو گئی ہے جو بہر حال خلاف قاعدہ عربیت ہے۔

ان معروضات کو پیش کرتے وقت ان فروگذاشتوں کے اعداد و شمار کی زیادتی دکھلانا ہرگز پیش نظر نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ حضرت اقدس شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی کی بلند و بالا شخصیت کے شایان شان ان کا عربی کلام (بشرطیکہ یہ کلام فی الواقع انہیں کا ہو) ہر طرح سے منقح مکمل و مدلل ہو کر سامنے آئے۔ اسے زیور طبع سے آراستہ کرنے والے اس سے متعلق پوری طرح واقف و باخبر ہوں۔

آیندہ سطور میں اسی "مجموعہ قصائد" کے خمسۂ دیگر سے متعلق کچھ معروضات پیش کی جارہی ہیں جو ۱۲ بند پر مشتمل اور خانوادۂ رسالت کے چار افراد اور خود ذات بابرکات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و منقبت پر مشتمل ہے، ان خمسہ جات کے متعدد اشعار میں خمسہ کا عدد بار بار مکرر آیا ہے جسے پڑھکر قاری کا ذہن خود بخود اس بات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ یہ خمسہ جات کے کے مشہور شعر لی خمسۃ اطفی بھا الخ کے متوازی اور اس کی تشریح کے طور پر کہے گئے ہیں۔ "نادعلی" کی طرح "لی خمسۃ اطفی بھا" والا مشہور شعر بھی عقیدۂ توحید سے متصادم ہونے کی وجہ سے اہل سنت میں رائج نہ ہونا چاہیے تھا مگر جو لوگ پروپیگنڈہ میں اس حد تک آگے جاسکتے ہیں کہ "نادعلی" کو مزاروں کے مناروں پر کندہ کرا دیں انہوں نے اس توحید شکن قطعہ کو بھی ہر ذریعہ سے مشہور کر دیا ہے حالانکہ اس شعر میں بھی متعدد لسانی وادبی غلطیاں موجود ہیں مگر یہ بحث ایک علیحدہ مضمون چاہتی ہے، یہاں تو حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی

علیہ الرحمہ کے عربی کلام پر مشتمل خمسہ جات موضوع گفتگو ہیں خمسہ دیگر کے تحت مخطوطہ میں شایع شدہ دوسرا مخمس ملاحظہ ہو :

اِصطفی اللّٰہُ فِی دَرَاءِ الکل　　　خمستہ طورھم وراء الکل

قد رھم لا علی سواء الکل　　　ھم نجوم علیٰ سماء الکل

ضوءھم قد اضاء طبقاتین

اس مخمس میں پہلی بات دوسرے مصرع کے لفظ خمستہ سے متعلق ہے، مخطوطہ میں خَمْسَتہٌ کی تام نوع (دو پیش کے ساتھ) لکھی ہوئی ہے، اس صورت میں عبارت میں ایک مبتدا محذوف ماننا پڑے گا اور یہ خمستہ زبردستی اس کی خبر بنائی جائے گی یہ صورت سراسر تکلف بے جا پر مبنی ہے، بے تکلف سیدھی سادی بات یہ ہے کہ اس رفع کو کاتب کی غلطی مان کر خمستہ کا اعراب نصبی حالت میں رکھا جائے اور اسے اصطفی (فعل) کا مفعول بہ سمجھا جائے، یہی صورت صحیح معلوم ہوتی ہے چنانچہ آگے نویں مخمس میں حضرت شاہ نیاز صاحب موصوف نے خود بھی یہی صورت اختیار کی ہے جہاں فرمایا ہے" اجتبیٰ اللّٰہ خَمْسَتہً"

اس مخمس سے متعلق دوسری گزارش یہ ہے کہ مخمس کے پہلے دو مصرعوں میں تو وراء ہی کا قافیہ مکرر ہو گیا ہے یہ تکرار فنی طور پر عیب بھی شمار ہوتا ہے اور اس سے شاعر کی قدرت علی الکلام بھی مجروح ہوتی ہے، پھر ایک دوسری بات اور بھی ہے کہ پہلے مصرع میں وراء سے پہلے" فی" کے اضافہ سے بھی مصرع میں ایک فی نکل آئی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مخمس کے بند والے مصرع میں" طبقاتین" کا لفظ

استعمال کیا گیا ہے، یہ بات صاف نہیں معلوم ہوتی کہ یہ لفظ ہے کیا اسے طبقتین صیغۂ تثنیہ سمجھا جائے اور الف کو الف اشباع تصور کیا جائے یا یہ سمجھا جائے کہ یہ طبقہ کی جمع طبقات کا تثنیہ ہے ؛ یہ بات کچھ عجیب سے ہوگی اس لیے اہل تحقیق مختلف نقول سے مراجعت فرما کر متعین فرمائیں کہ یہ کیا لفظ ہے ؟

(۳) اب اس سلسلہ کا تیسرا بند ملاحظہ ہو :-

خمسۃ کلھم نجوم ھدیٰ ان خیرالانام شمس دحی

وعلیؑ آخوہ بدر دجی زھرۃ الشکل بنتہ الزھریٰ

صورۃ المشتری حسن وحسین

اس مخمس کے دوسرے مصرع میں خیرالانام حضور عالی مقام صلوٰۃ اللہ علیہ السلام کی ذات بابرکات کے لیے شمس دحیٰ کا فقرہ استعمال کیا گیا ہے جو "اغلاط کتابت" کی تاریخ میں عجیب وغریب نہایت ہی نادر قسم کی غلطی ہے (اسی ندرت کی وجہ سے نظر کی گرفت میں پہلی بار نہ آسکی ورنہ اس کا تذکرہ اغلاط کتابت ہی کے تحت ہونا چاہیے تھا)

"ضاد" عربی کے حروف تہجی کا ایک مشہور ومخصوص عربی حرف ہے یہ حرف صرف عربی الفاظ ہی میں ملتا ہے دوسری زبان میں مستعمل نہیں ہے. حرف ضاد کے تلفظ کا جھگڑا تو اکثر سننے میں آتا رہتا ہے کہ یہ حرف کس طرح ادا کیا جائے ضالین کو دالین (دال کی آواز میں) پڑھیں یا ظالین (ظاء کی آواز میں) پڑھیں؛ لیکن لکھنے کے معاملہ میں ہمیشہ اسے ضاد ہی لکھا گیا ہے، اس حرف سے بنا ہوا کوئی لفظ کہیں کبھی دال یا ظاء سے نہیں لکھا گیا مگر مخطوطہ کے کاتب صاحب نے یہاں یہ کسر بھی

پوری کر دی ہے اور شمس ضحیٰ کو دال سے لکھ کر شمس دحیٰ لکھ ڈالا ہے کہ اب اگر کوئی مشاق سے مشاق قاری بھی اس ضاد کو صحیح تلفظ سے ادا کرنا بھی چاہے تو کر ہی نہ سکے، کاتب صاحب نے اس حرف کو لوح کتابت ہی سے غائب کر دیا ہے۔

(۴) اب اس مخمس کا چوتھا مصرع ملاحظہ ہو، مصرع یہ ہے:

ع زھوۃ الشکل نبتۃ الزھریٰ

مصرع کا آخری لفظ (جو مصرع کا قافیہ بھی ہے) الزھریٰ لکھا ہوا ہے اور اس کا مصداق جگر گوشۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لقب الزھراء (جو بالمد ہے بالقصر نہیں ہے) عام طور پر مشہور ہے، اس الزھراء کو مخمس کے چوتھے مصرع میں الزھریٰ (بالقصر) یہاں کاتب صاحب نے لکھ دیا ہے یا حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ضرورت قافیہ کی بنا پر یہ تصرف فرمالیا ہے؛ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ آپ کے اصل لقب الزھراء سے اچھی طرح واقف ہیں، چنانچہ اگلے ہی مخمس میں حضرت نے آپ کا لقب زھراء ہی نظم فرمایا ہے۔

(۵) پانچواں خمسہ یوں ہے:

خستہ ناطق بھم فرقان فلیطالع بسورۃ الرحمن

انّ زھراء وزوجہا بحران فیھما بنان لولوء مرجان

والنبی کان برزخاً ما بین

اس مخمس کے دوسرے مصرع کا پہلا لفظ فلیطالع ہے جو مخطوطہ کے مطابق امر غائب معروف کا ۔۔۔ احد مذکر غائب کے طور پر لکھا گیا ہے لیکن مترجم

صاحب نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے "پڑھ لو سورۂ رحمٰن کو" اس انداز ترجمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے امر حاضر مان کر ترجمہ کیا ہے مگر اس کا امر حاضر تو صرف طالع ہوگا، فا اور لام نہ ہوگا؟

طالبان تحقیق اور محققین کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ یہ صیغہ کون سا ہے؟ اور غلطی کہاں پر ہوئی ہے؟ ویسے راقم السطور کی فہم ناقص کے مطابق نہ تو مخطوطہ کا عکس و اعراب صحیح ہے نہ جناب مترجم کا ترجمہ درست ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ یہ صیغہ لکھا تو جائے گا اسی شکل میں جس شکل میں مخطوطہ کا عکس ہے لیکن اسے امر غائب معروف کی بجائے امر غائب مجہول کا صیغہ ماننا بہتر اور آسان ہوگا اس صورت میں فَلْيُطَالَعْ لکھا جائے گا یعنی دوسرے لام کو فتحہ دیا جائے گا اور ترجمہ یوں ہوگا کہ:

سورۂ رحمٰن کا مطالعہ کیا جانا چاہیے (یا "مطالعہ کیا جائے")

مخمس کے تیسرے مصرع میں زھراء کے بعد وزوجہا کا فقرہ ہے مگر مخطوطہ میں زا کے بعد کا واؤ عکس میں نہیں آسکا ہے۔

بند کے پانچویں مصرع میں بردخ کا لفظ آیا ہے مگر نہ تو زا کی صحیح شکل بن سکی ہے نہ ہی اس پر نقطہ ہے، اس زا کو نقطہ دیکر صحیح شکل دیدی جائے مگر یہ ایک لطیفہ بھی ملحوظ رہے کہ زاء کے نقطہ کی کمی نے یہاں ایک دوسرا نکتہ پیدا کر دیا ہے اور شبہ یہ ہو جاتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اسے دال ہی کے ساتھ تو نہیں لکھا ہے، اس طرح لکھ کر لفظ پردہ کی حقیقت سے پردہ اٹھانا چاہا ہو کہ پردہ کا یہی لفظ عربی زبان میں برزخ ہو گیا ہے۔

(۶) پانچویں مخمس کے دوسرے مصرع میں زہر کی جگہ زبردستی زبر لکھ دینے

کی ایک چھوٹی سی فروگذاشت پہلے بھی نشاندہی میں نہ آسکی تھی وہ کہ مِنْ یداللہ کے فقرہ میں مِنْ حرف جر ہے جو بالکسر ہے اسے مَنْ (بالفتح لکھدیا گیاہے جسکی وجہ سے معنی مختل ہو گئے ہیں۔

(۷) چھٹے، ساتویں، دسویں مخمس میں توحید شکنی کے ایسے مضامین ہیں کہ اشعار کی اعرابی ولفظی اغلاط کی نشاندہی کے لیے ذہن متوجہ ہی نہیں ہو سکا، ان خمسہ جات کی معنویت تو راقم السطور کو ماورائے حقیقت و معرفت ہی نظر آرہی ہے اور ضرورت اس تحقیق کی نظر آرہی ہے کہ فلسفۂ وحدۃ الوجود تو جیسا کچھ تھا تھا، حضرات صوفیہ رحمہم اللہ کے دو مکتبۂ فکر وجود میں آگئے اور بحث و مباحثہ کے معرکے ہوتے رہے۔ اب تحقیق اس بات کی ہونی ہے کہ وحدۃ الوجود کا یہ فلسفہ کیا اپنے مرکز اصل سے آگے بڑھکر وجود باری کے سوا دوسرے وجودوں کی بھی وحدت دریافت ہو گئی ہے۔ دائرۂ گفتگو اپنے موضوع سے آگے نہ بڑھنے پائے اس لیے عافیت کا پہلو اسی میں نظر آتا ہے کہ بزرگوں کی باتیں بزرگ ہی سمجھ سکتے ہیں حضرت شیخ محب اللہ الٰہ آبادی علیہ الرحمہ کا رسالہ "تسویہ" اورنگزیب عالمگیر نے انکے خلیفہ شاہ محمدی فیاض علیہ الرحمہ (مدفون اکبرآباد) کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ یہ رسالہ آپ کے شیخ کا رسالہ ہے اس کے مضامین خلاف شرع ہیں یا تو اس رسالہ کا جواب دیجئے یا اسے آگ میں ڈال دیجئے۔

حضرت شاہ محمدی علیہ الرحمہ نے نہایت ہی پرسکون وطمانیت جواب دے دیا کہ:

رسالہ کے مقام تک ابھی میری رسائی نہیں ہوئی ہے کہ جواب دوں اور مجھ درویش کے گھر میں آگ ہی کہاں جلتی ہے، بہتر یہی ہے کہ آپ خود شاہی مطبخ میں نذر آتش فرمادیں۔

کچھ ایسی ہی صورت حال یہاں بھی ہے کہ نہ تو حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بریلوی کے مقام عرفان سے واقفیت نہ ہی ان کے اس کلام عربی کے ان کی طرف انتساب کی صحت کا

اطمینان تو کیوں انکی ذات کو موضوع گفتگو بنایا جائے۔

ے مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

ے در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ہر ہوسناکے نہ داند جام وسندان باختن

(۸) آٹھویں بند کا ترجمہ کھٹکتا ہے۔ پورا بند اور آخری مصرع کا ترجمہ یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

خَمسَۃٌ حُبُّھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ من دعاھم فقد اجاب اللّٰہ

من علیھم بغی فوا ویلاہ خَسِرَ الدین فیہ مع دنیاہ

فقنا رَبِّ اٰخِرَ الامرین

(یا اللہ ہمیں ان آخر کی دونوں باتوں سے محفوظ رکھیو)

مخمس کے چوتھے مصرع میں خسر الدین مع دنیاہ کے درمیان فیہ کا اضافہ بے ضرورت صرف وزن شعر پورا کرنے کے لیے شاید بڑھایا گیاہے پھر اس فیہ کی ضمیر کا مرجع بھی نا معلوم ہے۔

بند والے آخری مصرع کا ترجمہ مترجم صاحب نے صحیح نہیں کیاہے، مصرع کا جو ترجمہ وہ کر رہے ہیں اگر حضرت شاہ صاحب کو وہ بات کہنی ہو تو مصرع میں اٰخِر الامرین کی بجائے کلا الامرین کا فقرہ ہونا چاہیے تھا، پورے بند میں کل دو ہی باتیں تو کہی گئی ہیں کہ ان پنجتن کی محبت اللہ کی محبت، ان سے کچھ مانگنا گویا اللہ ہی سے مانگناہے اور دوسری بات یہ کہ ان سے بغاوت و سرکشی کرنے والا مستحق لعنت و ہلاکت ہے دین و دنیا میں نقصان و خسارہ میں رہے گا۔

ان دو باتوں کے بعد بند کے مصرع میں یہ دعا کی گئی ہے کہ اے اللہ!
ہمیں ان دو باتوں میں سے آخری بات یعنی ان کی بغاوت و سرکشی سے
محفوظ رکھیئے، مترجم صاحب کے ترجمہ نے مطلب ہی کو خبط
کر دیا ہے۔

مجموعۂ قصائد کے خمسۂ دیگر سے متعلق معروضات کو ایک بہت ہی
چھوٹی سی کتابت کی فروگزاشت کا ذکر کرکے ختم کرتا ہوں انیسویں
مخمس کے تیسرے مصرع میں باﷲ کا لفظ باالله لکھ گیا ہے، درمیانی
الف زائد اور غلط ہے اور یہ غلطی اتنی کثرت سے ہوتی ہے کہ اسے
غلطی کہنا مشکل ہو گیا ہے۔

اب زیر قلم مضمون کی صرف ایک آخری قسط اور باقی رہ جاتی ہے
جو حضرت سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب
مناجات کی نسبت کی تحقیق اور اس کی لسانی و ادبی فروگزاشتوں سے
متعلق ہو گی جن میں سے بعض فروگزاشتیں تو خود اصل مناجات کے عربی
الفاظ سے متعلق بھی ہوں گی۔ (باقی)

حضرت شاہ نیاز احمد نیاز علیہ الرحمہ کا عربی کلام

از جناب ابوصہیب رومی مچھلی شہری

(۳)

جہاں تک زیر بحث مناجات کی نسبت شاعری کی تحقیق کا معاملہ ہے تو واقعہ یہ ہے کہ عربی ادب پر تحقیقی نظر رکھنے والے اہل فن اس مناجات کی "نسبت شاعری" کی صحت و واقعیت کو صرف "مشہور درمیان عوام" ہی کی حد تک جانتے اور سمجھتے ہیں ادب و تاریخ ادب کے محققین کے ہاں اس مناجات جیسی "مشہور عوام" چیزوں کی علٰحدہ ایک مستقل فہرست ہے، فارسی ادب و شاعری میں بھی کچھ ایسی ہی چیزیں پائی جاتی ہیں جن کی سند اس سے آگے نہیں بڑھتی کہ "عوام میں مشہور ہیں" اور خواص اہل تحقیق اس کی سند سے بے خبر ہیں، مثال کے طور پر دیوان خواجہ معین الدین چشتی، دیوان شمس تبریز اور شہزادی زیب النسا مخفی کی طرف منسوب دیوان مخفی وغیرہ، ان دواوین کی اس نسبت سے اہل نظر و اصحاب تحقیق نہ مطمئن ہیں نہ متفق ہیں، معین الدین کاشانی شیعی کا دیوان حضرت خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور صرف منسوب ہی نہیں بلکہ اس کاشانی شاعر کا یہ مشہور قطعہ بھی خواجہ صاحبؒ کے مقبرہ کی دیوار پر کندہ کرا دیا گیا ہے جس طرح گلبرگہ میں حضرت گیسو دراز کے مقبرہ کے ستونوں پر "نادعلی" کا قطعہ کندہ ہے۔

کاشانی شاعر کا وہ قطعہ یہ ہے:

شاہ است حسین و باد شاہ است حسین / دین است حسین و دیں پناہ است حسین
سرداد و نداد دست در دست یزید / حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

اس قطعہ کے تین مصرعے اگر بے چون و چرا مان بھی لیے جائیں تو بھی چوتھے مصرع کا صحیح محل متعین کرنا مشکل ہوگا کہ اگر لا الٰہ کی بنیاد بقول شاعر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ذریعہ رکھی گئی اور انہیں کی ذات والا صفات بنائے لا الٰہ تھی تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ان سے پہلے کوئی صاحب ایمان اور موحد ہوا ہی نہیں کیونکہ ایمان و توحید کی بنیاد تو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکھی۔

اسی طرح عربی ادب میں بھی حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی طرف منسوب ایک دیوان "دیوان علیؓ" کے نام سے پایا جاتا ہے، لیکن عربی ادب کے محققین کے نزدیک وہ تحقیق و استناد کے معیار پر پورا نہیں اترتا ہے۔ اس موضوع خاص سے خصوصی دلچسپی رکھنے والے شاہ محمد جعفر صاحب پھلواروی اپنے رسالہ "ادعیہ پر تحقیقی نظر" کے ص۱۳ پر لکھتے ہیں:

"سیدنا علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ) کی طرف ایک دیوان منسوب ہے حالانکہ دسویں ہجری کے شیعہ عالم ملا باقر مجلسی نے "حیات القلوب" میں بارگاہ نبوت کے شعرا کے نام گنائے ان میں سیدنا علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ) کا نام نہیں ہے۔ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ صاحب دیوان شاعر ہوتے تو ملا باقر مجلسی انہیں کسی صورت سے بھی ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔"

یہی صورت حال حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملہ میں بھی ہے کسی بھی معتبر و مستند ذریعہ سے عربی ادب و شاعری میں ان کا ایک شعر بھی اب تک پڑھنے میں نہیں آسکا ہے، ان کی شاعری کے ثبوت میں لے دے کے یہی ایک عربی مناجات ہے جو صرف اس غلط فہمی کے نتیجہ میں ان کی طرف منسوب ہوگئی اور مشہور کردی گئی کہ مناجات کے آخری شعر میں (جسے آپ چاہیں تو مقطع کہہ لیں) قائلِ مناجات کا نام یا تخلص "صدیق" آگیا ہے، بس اسی مقطع اور تخلص کو بنیاد بنا کر عربی کی کچھ شد بد رکھنے والے کسی صوفی درویش نے اسے سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مناجات سمجھ کر اپنے ورد میں داخل و شامل کر لیا ہوگا اور پھر بے تحقیق یہ انکشاف بھی کر دیا ہوگا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک خاص الخاص مناجات انہیں سینہ بہ سینہ پہنچی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں بھی کہیں سے کوئی مخطوطہ مناجات دریافت ہوگیا ہو اور انسانی نفسیات کی یہ کمزوری بھی بڑی پرانی کمزوری ہے کہ مطبوعات کے مقابلہ میں مخطوطات کو کچھ زیادہ ہی قابل اعتماد و لائق اعتنا سمجھا جاتا ہے۔

پہلے کہیں اشارتاً یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ اس مناجات کی بحر، بحر رمل مثمن ہے اور یہ وہی بحر ہے جس میں غالب کی مشہور غزل "سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں" موجود ہے یا یہ مشہور نظم "آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے" بھی اسی بحر رمل مثمن میں ہے:

راقم السطور کے والد بزرگوار عربی و فارسی اور اردو میں شاعری فرماتے تھے شعر و شاعری میں حضرت اصغر گونڈوی کو اپنا استاذ مانتے تھے اس مناجات سے

متعلق وہ یہی فرماتے تھے کہ عربی شاعری میں یہ بحر رمل مثمن عام طور پر مروج و مستعمل نہیں ہے اور خود احقر بھی اپنے محدود مطالعہ کے نتیجہ میں یہی سمجھ سکا ہے کہ عربی شاعری میں یہ بحر یقینی طور پر رواج یافتہ بہرحال نہیں ہے لہٰذا اگر اہل تحقیق کے نزدیک اب بھی یہی فیصلہ ہے کہ یہ بحر عربی میں مستعمل نہیں ہے تو یہ ایک ایسی بنیادی بات ہوگی جس کی وجہ سے مناجات کی نسبت بدیہی طور پر غلط ثابت ہو جاتی ہے اور پھر اس کا کوئی جواب و معاوضہ مشکل ہی سے ہو سکے گا۔

اور اگر مناجات کی بحر و وزن سے قطع نظر کر کے آگے بڑھیے تو بار بار آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کا ذوق عربیت مجروح ہو رہا ہے لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب آپ بذات خود عربی ادب سے گہرا ربط و تعلق رکھتے ہوں، مناجات میں آئی ہوئی اکثر و بیشتر تعبیرات خالص عجمی ذوق بلکہ ہندوستانی ذوق پر مبنی ہیں۔

مثال کے طور پر مناجات کے پہلے اور چوتھے شعر میں "یا الٰہی" کا فقرہ استعمال ہوا ہے جو بالکل ہندوستانی و عجمی ذوق استعمال کا آئینہ دار ہے، عربی میں عام طور پر مقام ندا میں بھی یا الٰہی کی جگہ صرف "الٰہی" بولتے ہیں، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا مشہور قطعہ ہے، بعض حضرات اسے بعض دوسرے بزرگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں ؎

الٰہی عبدک العاصی اتاکا — مقراً بالذنوب وقد دعاکا

فان تغفر فانت لذاک اھل — وان تطرد فمن یرحم سواکا

اس قطعہ کا منظوم ترجمہ بھی ملاحظہ میں رہے، احقر نے کسی وقت یہ ترجمہ کیا تھا ؎

گنہگار بندہ ترے در پہ مولا — گناہوں کا اقرار کر کے خود آیا

جو تو اس کو بخشے تو ہے اہل تو ہی
تو جھڑکے تو پھر کون اس کا خدایا

اسی طرح ایک دوسرا شعر جو قیس عامری مجنوں کی طرف منسوب ہے ۔

الٰھی تبت من کل المعاصی
ولکن حب لیلیٰ لا اتوب

اے خدا میں نے ہر گناہ سے توبہ کرلی ہے
لیکن لیلیٰ کی محبت سے توبہ نہیں کی ہے

(۱) پہلے شعر میں آئے ہوئے لفظ "یا الٰھی" کی عجمیت کو نظر انداز بھی کر دیں تو شعر کے دوسرے الفاظ بھی دامنگیر ہو جاتے ہیں، دوسرے مصرع میں ترکیب الفاظ اور اسلوب تعبیر دونوں ہی کھٹکتے ہیں دوسرا مصرع یوں ہے :

مفلس بالصدق یاتی عند بابک یا جلیل

اس مصرع کی ترکیب الفاظ پر غور کیجئے تو بظاہر یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ بالصدق کا تعلق مفلس سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مفلس سے متعلق ہونے کی صورت میں تو بات ہی بگڑ جاتی ہے اس سے تو یہ مطلب سمجھا جائے گا کہ شاعر اپنی سچائی کی وجہ سے مفلس ہے یا سچائی سے تہیدست اور مفلس ہے، اس لیے مناسب بات یہ ہوگی کہ بالصدق کو آگے آنے والے فعل یاتی سے متعلق قرار دیا جائے اور مطلب یہ سمجھا جائے کہ وہ مفلس صدق دلی کے ساتھ آپ کے در پر آیا ہے، اس طرح مصرع کا مطلب تو درست ہو جاتا ہے لیکن لغت و عربیت کی یہ غلطی پھر بھی عجمیت کا ثبوت مہیا کرتی رہتی ہے کہ شاعر نے یاتی (فعل مضارع) کے ساتھ عند کا لفظ استعمال کیا ہے جو خلاف محاورہ و خلاف لغت ہے، مصباح اللغات اور المنجد وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اتٰی یاتی کا صلہ حرف باء آتا ہے، اتٰی بالمکان یا اتی بالباب محاورہ ہے اس لحاظ سے اس مصرع میں بھی اتی ببابک یا جلیل ہونا چاہیے تھا۔

(۲) اب دوسرے شعر پر توجہ فرمایئے جس کا پہلا مصرع تو ٹھیک ہے، لیکن دوسرا مصرع یوں ہے:

انہ شخص غریب مذنب عبد ذلیل

اس مصرع میں لفظ شخص اور غریب خالص طور پر عجمیت اور ہندیت کی غمازی کر رہے ہیں۔ یہ دونوں ہی لفظ عربی استعمال کے خلاف اردو زبان کے محاورہ کے مطابق استعمال ہوئے ہیں، عربی زبان میں شخص کا لفظ وجود اور مجسمہ یا اسٹیچیو وغیرہ کے مفہوم میں بولا جاتا ہے عربی میں یہ لفظ آدمی کے مفہوم میں یا آدمی کے لیے نہیں بولا جاتا، اسی طرح غریب کا لفظ عربی زبان میں مفلس و فقیر وغیرہ کے مفہوم میں نہیں بولا جاتا بلکہ پردیسی، مسافر اور اجنبی کے مفہوم میں مستعمل ہوتا ہے لیکن مصرع مذکور میں دونوں ہی لفظ اردو محاورہ کے مطابق لائے گئے ہیں، عرب "اہل زبان" اس طرح ہرگز استعمال نہیں کرتے۔

(۳) اب مناجات کا پانچواں شعر ملاحظہ ہو:

قل لنار ابردی یارب فی حقی کما قلت قلنا نار کونی انت فی حق الخلیل

شعر کا ترجمہ یوں کیا جائے گا۔ اے میرے رب آپ میرے حق میں آگ سے کہہ دیجئے کہ تو ٹھنڈی ہو جا جس طرح کہ آپ نے کہا تھا کہ ہم نے آگ سے کہا کہ "اے آگ تو ہو جا" (یہ بات) تونے حضرت خلیل کے حق میں کہی تھی۔

اس شعر میں بھی "رب" سے پہلے "یا" حرف ندا کا اضافہ کلام عرب میں نہیں ملتا قرآن مجید کی متعدد آیات میں صرف رب کا کلمہ بغیر حرف ندا مستعمل ہے رب انی مغلوب فانتصر "رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ و من ذریتی" رب انی اعیذ ھابک وذریتھا

من الشیطٰن الرجیم، رب اغفر لی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب یا اللہ یا رب کہہ کر ندا کا طریقہ عجمی و ہندوستانی ہے۔

پھر شعر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آتش برودلے واقعہ کی تلمیح میں قرآن مجید کے جس فقرہ کو بطور اقتباس و تلمیح نقل کیا ہے وہ فقرہ ناقص اور ادھورا ہے ترجمہ میں ہم نے اسے خط کشیدہ کر دیا ہے اس فقرہ میں برداً کا لفظ یا اس کا ہم مفہوم کوئی دوسرا لفظ ہونا ضروری تھا۔ مختصر یہ کہ یہ شعر شاعر کے ذوق عجمیت کی غمازی کے ساتھ ساتھ اسکے شاعرانہ عجز کی غمازی بھی کر رہا ہے، چھٹے شعر پر کچھ تبصرہ کتابت و اعراب کی غلطیوں کے تحت (معارف ماہ جون ۱۹۹۶ء) گذر چکا ہے۔ مناجات کا ساتواں شعر حضرت شاہ صاحب کی تضمین و تخمیس کے ساتھ مخطوطہ میں یوں شایع ہوا ہے:

ان توب اللہ مفتاح الابواب الفتوح ؛ انت یا ای غریب تب الیہ کالنصوح

کل من ھو جاء فی الدنیا الی العقبی یروح ؛ این موسیٰ این عیسیٰ این یحییٰ این نوح

انت یا صدیق عاصی تب الی المولی الجلیل

مناجات کا یہ شعر زیر تبصرہ مخطوطہ میں ساتویں نمبر پر درمیان مناجات لکھا گیا ہے اس کے بعد اس مناجات کے چار اشعار اور بھی ہیں حالانکہ اس بند میں اصل شاعر اور اس کے تضمین نگار دونوں ہی کے تخلص بھی موجود ہیں جس کا تقاضا تو یہی تھا کہ یہ بند آخری بند اور مناجات کا یہ شعر آخری شعر ہوتا، ترتیب کی یہ غلطی کس سے اور کیسے ہوگئی اس کی تحقیق ضروری ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب غریب علیہ الرحمہ کی اردو تضمین میں یہ شعر آخری

نمبر ۲ اور تضمین کے آخری بند میں ملتا ہے بظاہر یہی ترتیب ہونی چاہیے تھی۔

مناجات کے اس شعر میں شاعر نے اپنا نام یا تخلص صدیق نظم کیا ہے، اسی تخلص نے لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کیا اور کوئی بزرگوار اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی مناجات سمجھ بیٹھے، جن صاحب کو بھی یہ غلط فہمی ہوئی وہ عربی شاعری سے متعلق ضروری واقفیت بھی شاید نہیں رکھتے تھے، نہ تو انہیں یہ خبر تھی کہ مناجات کی یہ بحر عربی شاعری میں مروج و مستعمل ہی نہیں ہے اور وہ اس کھلی ہوئی حقیقت سے باخبر تھے کہ عربی شعرا کے تمام دواوین اور انکے جملہ قصائد و منظومات کا جائزہ لیا جائے تو شعرائے متقدمین کے کلام میں نام یا تخلص کے قسم کی کوئی چیز بھی تلاش بسیار کے بعد بھی شاید ہی مل سکے، عربی کی قدیم شاعری میں تخلص رائج ہی نہیں تھا، اس کے ساتھ ساتھ یہ نکتہ بھی بطور خاص قابل لحاظ ہے کہ "صدیق" حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہیں تھا بلکہ یہ ان کا لقب تھا جو ان کے مقام صدیقیت کو نظر میں رکھتے ہوئے دیا گیا تھا جو ان کی مدح و تحسین کا ایک مشہور عنوان ہے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان عبدیت و تواضع ہرگز اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کے وقت اپنی زبان سے اپنے آپ کو "صدیق" جیسے شاندار لقب سے یاد کریں۔

اس سے یہ بات تقریباً متعین ہو جاتی ہے کہ یہ مناجات کسی دوسرے صدیق کی ہے، جو ایسے دور میں ہوئے ہیں جب شاعر کے لیے تخلص کا ہونا اور پھر اسے مقطع میں لانا ضروری سمجھا جانے لگا تھا۔

آگے چل کر مناجات کے نویں شعر میں "یا الٰھی" کا فقرہ پھر آیا ہے، اس شعر کی اعرابی غلطیوں کا ذکر پچھلی قسطوں میں ہو چکا ہے، مناجات کے دسویں شعر پر بھی

گفتگو پہلے ہو چکی ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ مناجات کا یہ شعر مخطوطہ میں غلط طور پر آیا ہے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب علیہ الرحمہ کی تضمین میں یہ شعر جس طور پر ہے وہ مخطوطہ کے شعر سے بہرحال بہتر اور درست ہے۔

مناجات کے اصل اشعار پر بقدر ضرورت وکفایت تبصرہ ہو چکا ہے اس لیے اس سلسلہ کو مزید طول دینا مناسب نہ ہوگا، مناجات پر تبصرہ کرتے ہوئے اصل ضرورت تو اسی بات کی تھی کہ اس مناجات کی نسبت سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے، ادب عربی کی تاریخ سے ان کا شاعر ہونا ہی ثابت نہیں ہے اور پھر اس مناجات میں لفظی ومعنوی لغوی وادبی ہر طرح کی ایسی امہاتی غلطیوں کے ہوتے ہوئے اسے حضرت موصوف کی طرف منسوب کرنا ان کی تنقیص شان کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مناجات کی تضمین میں حضرت شاہ نیاز احمد نیاز علیہ الرحمہ نے جو مصرعے لگائے ہیں ان میں بھی فروگذاشتیں خاصی موجود ہیں جن کی نشاندہی سوء ادب سے خالی نہیں ہے اس لیے سردست اس تبصرہ کو ختم کیا جاتا ہے لیکن اتنی گذارش میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا کہ جو صاحب ذوق حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے عربی کلام پر تحقیقی کام کے لیے کمربستہ ہوں وہ پہلی محنت اسی کام پر کریں کہ موصوف کا کلام ان فروگذاشتوں سے پاک صاف ہو کر سامنے آجائے۔